جلد 1 شمارہ 10 دسمبر 1999ء رمضان المبارک 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت، احترام آدمیت اور اصلاح و فلاح انسانیت کا علمبردار

آدمیت

گوجرانوالہ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل واعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ
آدمیت فلاح
گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 1 شمارہ 10 دسمبر 1999ء رمضان المبارک 1420ھ

قیمت ——— 15/- روپے سالانہ فنڈ ——— 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ :Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

برادران کرام جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ مجلّہ "فلاح آدمیت" کی اشاعت کو دو برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ کچھ بھائیوں کا نئے سال کا مجلّہ فنڈ ہمیں موصول ہو چکا ہے مگر ابھی اکثر حلقوں کا فنڈ ہمیں موصول نہیں ہو سکا۔ ہماری ان بھائیوں سے استدعا ہے کہ وہ اپنا فنڈ ماہ دسمبر کے اختتام تک ضرور بہ ضرور روانہ فرمادیں۔ بعد میں ہم مجلّہ بذریعہ V.P روانہ کریں گے۔

الحمد للہ ہمارے مجلّے کو قارئین سے بے حد پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کے مضامین جو صدائے فقیر اور مجالس فقیر میں شائع ہو رہے ہیں برادران سلسلہ و قارئین نے بہت پسند فرمائے ہیں۔ سید ابو بکر غزنویؒ کے مضامین بھی بہت ایمان افروز اور تحقیقی ہیں۔ ہم نے نو مسلم کے تعارف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے جس میں انشاء اللہ سلسلہ وار نو مسلموں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ آخر میں میں آپ سے پھر التماس کرونگا کہ آپ اپنا مجلّہ فنڈ جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں شکریہ۔

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (سورۃ الحجرات۔6)

ترجمہ! "اے ایمان والو اگر کوئی فاسق خدا کے احکامات کی پرواہ نہ کرنے والا تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم اس خبر کی بنیاد پر تصدیق و تحقیق کے بغیر کسی گروہ کے خلاف کوئی کاروائی کر کے اسے نقصان پہنچا بیٹھو اور اس خبر کے غلط ہونے کا پتہ چلے تو پھر پشیمانی اور ندامت اٹھانی پڑے۔

تفسیر و تشریح

یہ آیت سورۃ الحجرات سے تعلق رکھتی ہے جو قرآن کریم کے 26 پارہ میں ہے۔ سورۃ الحجرات مدینہ شریف میں مختلف مواقع پر اترنے والے احکامات اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس میں آداب کی تعلیم دی گئی ہے جو مسلمانوں کے شایان شان اور اسلامی معاشرے کا طرہ امتیاز ہیں اور ایک اسلامی معاشرے اور سوسائٹی کے افراد میں باہمی محبت' پیار' میل جول' تعلقات میں استواری و استحکام' باہمی اعتماد اور بھروسے کے لئے انتہائی ضروری ہیں' جن کے بغیر کوئی معاشرہ اور بالخصوص اسلامی معاشرہ نہ تو قائم رہ سکتا ہے اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان اعتماد و اعتبار کی فضا برقرار رہ سکتی ہے۔

ہمارے معاشرتی بگاڑ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہم سنی سنائی باتوں پر کسی تصدیق و تحقیق کے بغیر ایسا قدم اٹھا لیتے ہیں جو واقعتاً غلط ہوتی ہیں اور ہماری کاروائی یا عملی اقدام کے نتائج دشمنی' رنجش اور نفرتوں کا موجب بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں خبر دینے والے کے لئے "فاسق" کا لفظ استعمال کر کے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خبر کی تصدیق و تحقیق کے علاوہ خبر دینے والے کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے کہ ایسا فاسق شخص اس قابل ہے کہ اس کی بات اور خبر پر اعتبار کیا جائے جو محض فسق و فجور کی بناء پر افراد و اقوام کے درمیان نفرتوں اور دشمنیوں کے بیج بوتا ہے۔ ہر قسم کی اطلاع پا کر یہ بات سن کر انتقامی کاروائی کرنا یا دل میں دشمنی پال لینا بجائے خود انسان کے بودے پن اور کانوں کا کچا ہونے کی دلیل ہے۔ انتقامی کاروائی کے نہ کرنے کے باوجود

اپنے دل میں نفرت، دشمنی، ناراضگی اور بغض کے جذبات پال لینا بھی معاشرتی خرابی اور نفرتوں کا سبب بن جاتا ہے۔

سو اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو خدا کی حدود کا پابند نہ ہو۔ جس کی سیرت قابل بھروسہ نہ ہو۔ جس کے جھوٹا ہونے کے خاصے امکانات موجود ہوں، اس کی خبر اور اطلاع پر بھروسہ کر کے ایسا قدم اٹھانا جو کسی فرد، قوم اور گروہ کا باعث ہو تمہارے لئے باعث ندامت ہو گا۔ لہٰذا تحقیق کئے بغیر ایسی کسی خبر پر یقین نہ کیا جائے۔

شان نزول

تمام مفسرین کا متفقہ بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے انہیں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ بنی المصطلق کے پاس زکوۃ کی وصولی کے لئے بھیجا تھا جو وہاں پہنچ کر کسی وجہ سے اس قبیلے سے ملے بغیر واپس آ گئے۔ اور حضور ﷺ سے کہا کہ اس قبیلے نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اور یہ کہ وہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ یہ خبر سن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کے خلاف فوجی کاروائی کے لئے فوجی دستہ تیار کیا۔ البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ فوجی دستہ تیاری کے مرحلے میں تھا یا روانہ کر دیا گیا تھا۔ کہ یہ آیت اتری اور حضور ﷺ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا کہ فاسق آدمی کی خبر پر اعتبار کر کے ایسا قدم نہ کر گزرو کہ وہ کسی گروہ کے لئے نقصان کا موجب بن جائے اور پھر حقیقت حال کا علم ہو کر تمہیں ندامت اور شرمساری کا منہ دیکھنا پڑے چنانچہ انہی دنوں اس قبیلہ کے سردار حرث بن ابی ضرار خزاعی، جو حضور ﷺ کے سسر اور ام المومنین حضرت جویریہؓ کے والد تھے، مدینہ تشریف لائے، اس کے ساتھ قبیلہ کا وفد بھی تھا۔ انہوں نے یہ انکشاف فرمایا کہ ولید بن عقبہ کو انہوں نے دیکھا تک نہیں، چہ جائیکہ زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کیا گیا ہو یا انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سب حسب سابق اسلام پر قائم ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت پر بدستور ہمارا ایمان ہے۔ اس طرح ایک غلط خبر پر اعتبار کر کے ایک عظیم غلطی سرزد ہوتے ہوتے رہ گئی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص موقعہ پر اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو جہاں حقیقت حال سے مطلع کر کے انہیں غلط اقدام سے باز رکھا، انہیں اپنی غلطی کا احساس دلایا ہے وہاں ایک عمومی

ہدایت بھی فرمادی کہ جب کوئی اہمیت والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو واس خبر پر کسی عملی قدم اٹھانے سے پہلے دیکھ لیا جائے کہ خبر لانے والا کیسا ہے؟ اعتباری ہے یا نہیں اور یہ کہ لائی ہوئی خبر کی حقیقت کیا ہے؟

شرعی قوانین کا استنباط

اس آیت کے ذریعہ جہاں ہمارے ایک معاشرتی بگاڑ کا بڑا سبب معلوم ہوتا ہے وہاں فقہانے شرعی قوانین بھی مرتب فرمائے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے کیونکہ ان قوانین کا دائرہ اطلاق وسیع ہے۔

1۔ پہلا شرعی قانون یہ ہے کہ کسی بھی حکومت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مڈل پاس سی آئی ڈی نظام کے ذریعہ وصول ہونے والی اطلاعات پر۔ جب کہ ان کی اہلیت اور سیرت قابل بھروسہ نہ ہو۔ یقین کر کے کسی شریف شہری کی عزت اور جان و مال کی بربادی پر اتر آئے۔ حکومتوں کے اندر اپنے سیاسی مخالفین کے ساتھ اسی طرح کے بے بنیاد الزامات لگا کر مقدمات میں الجھایا جاتا ہے اور اپنی انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے اسی طرح اس کے برعکس حکومت کی مخالف پارٹیاں کسی واقعہ کی صحیح صورت حال کی تحقیق کے بغیر الزامات کا طوفان اٹھا کر عوام اور رائے عامہ کو حکومت سے بددل اور بدگمان کرنے میں لگی رہتی ہیں اور ذرائع ابلاغ بڑی بڑی شہ سرخیاں چھاپ کر غلط واقعات اور خبروں کو اپنے اخبارات کو چٹ پٹا بنا کر ان کی اشاعت کو فروغ دیتی ہیں۔

2۔ علم حدیث میں اسی آیت کی بنیاد پر جرح و تعدیل کا فن ایجاد ہوا تاکہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب احادیث بیان کرنے والوں کے حالات کی تحقیق کی جائے کہ زیادہ لوگ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ ان سے کوئی حدیث قبول کی جائے تاکہ حضور ﷺ کی نسبت کوئی غلط حدیث آئندہ نسلوں تک پہنچنے نہ پائے۔ اس سلسلہ میں اس حد تک احتیاط برتی جاتی تھی کہ احادیث کی روایت کرنے والوں کا پورا حسب نسب چھان مارا جاتا تھا اور جہاں بھی ذرا سا شبہ پیدا ہوتا اس روایت کرنے والے کی روایت کو یا تو دوسرے سے رد کر دیا جاتا تھا یا اسے ضعیف اور کمزور قرار دیدیا گیا۔

3۔ اسی آیت کو بنیاد بنا کر قانون شہادت بھی مرتب ہوا کہ کسی معاملے میں کوئی شرعی حکم

نازل ہوتا ہو یا کسی انسان پر کوئی جرم عائد ہوتا ہو تو اس سلسلہ میں فاسق آدمی کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔ یعنی گواہ کی سیرت و کردار اگر قابل بھروسہ نہیں تو اس کی گواہی عدالت رد کر سکتی ہے' مگر آجکل ہم لوگ اپنی معاشرتی زندگی میں یہ دیکھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے کہ کوئی اطلاع دینے والا واقعی اعتباری ہے یا نہیں اور اس قابل ہے کہ اس کی بات پر یقین کر لیا جائے۔ عدالتوں میں تو سرے سے اس کی اہمیت محسوس نہیں کی جاتی' وہاں پیشہ ور گواہ اور کرائے کے شہادتی ہر وقت موجود رہتے ہیں جو عدالتوں کے آس پاس منڈلاتے پھرتے ہیں کہ ضرورت مند آئیں انہیں بطور گواہ پیش کریں۔ عدالتیں سیرت و کردار تو بڑی بات ہے یہ تک نہیں دیکھتیں کہ اس معاملے میں گواہی دینے والے کا سکونتی' رہائشی اور معاشرتی تعلق کتنا' کیسا اور کیوں ہے؟ شریعت اسلامی نے ایسے آدمی کی شہادت بھی قبول کرنے کی اجازت دی ہے کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے مسلمان نہ بھی ہو مگر سیرت و کردار کے حوالے سے جھوٹا اور بد کردار نہ ہو تو اس کی گواہی پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں امن و آشتی کی اہمیت

ایک سچا اسلامی معاشرہ امن و آشتی' صلح و صفائی' پیار و محبت' باہمی خلوص و ہمدردی کے جذبات و احساسات سے بھرپور معاشرہ ہے اس میں ایک دوسرے کا احترام' ایک دوسرے کا لحاظ' باہمی رواداری' حسن سلوک اور حسن معاملہ' حسن اخلاق اور سب سے بڑھ کر ایک دوسرے پر اعتبار اور بھروسے کی فضا میں تشکیل پاتا ہے' پنپتا ہے' پھلتا پھولتا ہے۔ جس معاشرے میں ایسی بیماریاں اور اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں' جن کے نتیجے میں نفرتیں' حقارتیں' دشمنیاں' حسد' بغض اور بخیلیاں اور نفاق پیدا ہو' اللہ تعالیٰ نے ان بیماریوں سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے روایت فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اور اہل اسلام کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی میں جسم کے اعضاء کی طرح پاؤ گے کہ جسم پر کہیں بھی چوٹ پڑتی ہے تو اس کی سختی اور درد سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ خوشی کی بات ہو تو سارے جسم میں تازگی اور انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی زبانی روایت کی ہے کہ اہل ایمان کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ عمارت کے اجزاء کی طرح ہے جو

ایک دوسرے کی مضبوطی اور سہارے کا موجب بنتے ہیں اور ان کے باہمی جڑے رہنے سے عمارت قائم اور مضبوط رہتی ہے۔ المومن لمومن کالبنیان پھر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر بتایا کہ انہیں اس طرح باہم پیوست ہونا چاہئے۔

حضرت زبیرؓ نے حضور ﷺ کی زبانی اس روایت میں فرمایا کہ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغض ھی الحالقه لا اقول تخلق الشعر ولکن تخلق الدین اگلی امتوں کی مہلک بیماریاں، حسد اور بغض تمہاری طرف بھی بڑھ رہی ہیں جو مونڈنے والی ہیں۔ میری مراد بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ تمہارے دین کو مونڈنے والی ہیں۔

حضور ﷺ کے دور کی معاشرت اور مسلمانوں کی مدنی زندگی کی یہی برکات تھیں کہ وہ آپس میں رحماء بینھم تھے کفر و لادینی قوتوں کے لئے اشداء علی الکفار تھے۔ وہ اسلام سے پہلے باہمی دشمنیوں اور نفرتوں کے شعلے مارنے والی آگ کے دھانے پر کھڑے تھے۔ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کی برکات کو اپنا کر فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تمہیں باہمی بھائی چارے کی نعمتوں سے نوازا۔ ورنہ ان کے دن رات سازشوں، باہمی قبائلی جنگوں اور قتل و خونریزیوں میں گزرتے تھے۔

دلوں کی محبت، خیر اندیشی، نیک نیتی، خوش اخلاقی، معافی و درگذر اور احسان مندی کے رویوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایثار و قربانی، محبت و پیار کے پانیوں سے پرامن معاشرے کا پودا پروان چڑھتا ہے اور معاشرے کی عمارت کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اسے آپ ساری دنیا کی دولت دے کر تعمیری و ترقیاتی منصوبوں کے کروڑوں روپے دے کر بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ ولو انفقت ما فی الارض جمیعا کی قرآنی آیت کے مطابق امن و اخوت کی دولت دنیا بھر کی دولت لٹا کر بھی نہیں خریدی جا سکتی۔ حسد، بغض، نسلی، لسانی اور صوبائی تعصب کی آگ لگائی بجھائی سے اور بھڑک اٹھتی ہے۔

خداوند کریم نے زیر بحث آیت میں ہمیں جو نصیحت فرمائی ہے اس میں حکمت اور دانائی کا یہی راز مضمر ہے کہ ہم کسی جھوٹے، بدکردار اور فاسق و فاجر شخص کی لگائی بجھائی، چغلی، بدگوئی اور بری خبر پر اندھا دھند یقین کر کے تحقیق حال اور دریافت احوال کی ضرورت سمجھے بغیر اسے سچ مان لیں اور فوری طور پر اپنے کسی بھائی، گروہ یا قبیلے اور قوم کے متعلق کوئی انتقامی کاروائی کریں تو ہمارا یہ

قدم اور کاروائی نہ صرف ندامت اور شرمساری پر منتج ہو گا بلکہ حالات اور معاملات قابو سے باہر ہوتے چلے جائیں گے۔ اس سے مزید بے اطمینانی، دشمنی اور حقارت و بے اتفاقی پھیلتی چلی جائے گی۔

ہمارے حالات

آج ہماری پریشانی اور جگہ جگہ فسادات، قتل و خونریزی کی آگ کے پیچھے اسی ایک بیماری کا چھپا ہوا ہاتھ کار فرما ہے۔ حکومتوں کے تخریب کار ہوں یا اندرون ملک فساد پر آمادہ کرنے والے متعصب اور سماج دشمن عناصر ہوں۔ خاندانوں میں جدائی اور نفرت کے بیج بونے والے افراد ہوں یا بھائی کو بھائی سے لڑانے والے رشتہ دار اور ان کی بیویاں ہوں۔ یہ سب انہی بے بنیاد خبروں، سنی سنائی باتوں پر تحقیق کے بغیر ہمارے رویے اور اقدامات کے برے نتائج ہیں۔ ہم سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان کی علاقائی اور لسانی وحدتوں میں بٹ گئے ہیں۔ مختلف سیاسی گروہوں کی گروہ بندیوں نے مزید اختلافات کی ہوائیں اڑا کر ملت اسلامیہ کی ایک وحدت کا وہ کباڑہ کیا کہ الامان والحفیظ

واقعات و امثال

1۔ مدرسوں میں استاد لوگ بچوں کو اتفاق و اتحاد کی فرضی کہانیاں لکھواتے ہیں۔ گو وہ فرضی ہیں مگر نتائج انتہائی حقیقی اور سچے ہوتے ہیں۔ ان کہانیوں کی فرضیت اور افسانوی حیثیت سے قطع نظر ان کے نتائج کو ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ان کہانیوں میں ایک یہ ہے کہ کسی آدمی کے چھ سات کڑیل جوان لڑکے تھے، جو ہر وقت لڑتے رہتے، باپ بوڑھا تھا۔ اپنے بچوں کی بے اتفاقی پر اسے تشویش تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان بچوں کی باہمی سرپھٹول ان کی تباہی و ہلاکت اور علاقے میں ذلت و رسوائی کا موجب ہو گی۔ چنانچہ اس بوڑھے تجربہ کار والد نے زبانی وعظ و نصیحت کی بجائے انہیں عملی سبق سکھانا چاہا۔ چنانچہ مرنے سے پہلے انہیں بلا کر لکڑیوں کا بندھا ہوا گٹھا دے کر اسے توڑنے کا کہا۔ لڑکے جوان، صحت مند اور طاقتور تھے، مگر سب الگ الگ زور آزمائی کے باوجود بندھے ہوئے گٹھے کو نہ توڑ سکے۔ آخر کار باپ نے بندھا ہوا گٹھا کھولا اور ایک ایک لکڑی دے کر اسے توڑنے کا کہا۔ تو ذرا سی زور آزمائی پر ان الگ الگ لکڑیوں کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ بوڑھے دانا اور

تجربہ کار والد نے اس عملی سبق کے بعد کہا کہ اگر تم بھی بندھی لکڑیوں کے گھٹے کی طرح آپس میں جڑے اور بندھے رہے تو کوئی بھی تمہیں نہ توڑ سکے گا' شکست نہ دے سکے گا۔ مگر جب تم اتفاق و اتحاد کی رسی سے نکل کر علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو ایک ایک کر کے ٹوٹ جاؤ گے' مار کھاؤ گے اور تباہ ہو جاؤ گے' قوموں' قبیلوں' گروہوں' خاندانوں اور برادریوں کے بندھے گھٹوں کو الگ کرنے والی چیز یہی سنی سنائی' جھوٹی اور بے بنیاد خبریں ہوتی ہیں۔ ہم افہام و تفہیم تحقیق و تصدیق کا راستہ اپنانے کی بجائے دوسروں کا نقطہ نظر سننے اور سمجھنے کی بجائے اس کے دلائل کی معقولیت جانے بغیر محض جھوٹی انا اور شخصیتوں کے میناروں کو بلند رکھنے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے کرنا' جھوٹی افواہیں پھیلانا' ان پر یقین کرنا اور شکوک و شبہات پھیلانے والوں کے دام میں آکر نفرتوں کی آندھیاں چلاتے رہتے ہیں۔

2۔ استادوں کی سنائی ہوئی ایک کہانی یہ بھی ہے۔ کسی جنگل میں دو بیل نہایت اتفاق سے رہتے تھے۔ ان کے باہمی اتفاق کے باعث جنگل کا بادشاہ جب بھی ان پر حملہ کرتا تو دونوں بیل ایک دوسرے کی مدد پر تن کر کھڑے ہو جاتے اور شیر کے ہر طرف سے کئے جانے والے حملوں کا مقابلہ کرتے۔ شیر نے مسلسل ناکامیوں کے باعث لومڑی جیسے چالاک اور عیار جانور سے مشورہ کیا تو لومڑی نے اپنی چکنی چپڑی باتوں کے اثر اور لگائی بجھائی کے ذریعہ دونوں بیلوں میں پھوٹ ڈال دی۔ جس کے نتیجے میں شیر نے دونوں کو الگ الگ اپنا شکار بنالیا۔ کہانی بچگانہ سہی اور گری پڑی ہے' مگر عبرت و حکمت کا بیش بہا خزانہ رکھتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں بھی ہمارے دشمنوں نے لومڑیوں کے کردار چھوڑ رکھے ہیں جو ہمارے اتفاق و اتحاد اور بھائی چارے کی فضا کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر کسی سے ہوشیار رہے جو جھوٹے الزامات لگا کر آپ کی دشمنی اور مخالفت کی آگ کو کسی کے خلاف بھڑکانے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ لگائی بجھائی سے کام لیتا ہے۔ عورتوں میں کوئی ایسی ہو تو اسے بی جمالو کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ باہم لڑانا اور لوگوں کو بدنام کرنا اپنا روز شب کا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ خود زندگی کی ناکامیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور قوموں یا خاندانوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جو آدمی ادھر کی بات ادھر لگاتا ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہو گا"

3۔ عبدالعزیز بن مروان نئے نئے گورنر بنے تو نوجوان تھے۔ ان سے ملنے والوں نے سوچا کہ

موقع اچھا ہے ادھر ادھر کی اطلاعیں دے کر ان کا قرب بھی حاصل ہو گا اور اپنے مخالفوں کو بھی اس کے ذریعہ سزا دی جا سکے گی۔ حاکم کانوں کا کچا ہو تو ایسے لوگوں کی چاندی ہو جاتی ہے' لیکن عبدالعزیز بن مروان چھوٹی عمر میں بھی ذہن رسا رکھتا تھا' آدمی کو پرکھنا جانتا تھا اور اس قسم کے درباری خوشامدیوں کے کردار سے واقف تھا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک نسلی درباری اور خوشامد پیشہ نے موقعہ دیکھ کر اپنا داؤ آزمایا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کا ہمدرد ہوں۔ میں جو درد آپ کے لئے دل میں رکھتا ہوں وہ کسی اور کے دل میں کب ہو سکتا ہے"

عبدالعزیز نے کہا بات کیا ہے؟ آپ کیوں میرے لئے اتنے فکر مند ہیں۔ اس نے کہا فلاں درباری یا حاکم' خلیفہ تک آپ کی شکائتیں پہنچاتا ہے بہتر ہے کہ اسے اس کے منصب سے معزول کر دیں۔ ورنہ آپ اس کے جال میں پھنس جائیں گے۔ عبدالعزیز نے درباری کی باتیں سنیں تو دکھ ہوا۔ کہا میرے بھائی! تم نے بھلائی کی بات کی ہے۔ بہتر ہے میں تمہاری بھلائی کی بات کروں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تجھے خدا کا خوف ہے نہ میری عزت کا خیال ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تجھے کھڑے کھڑے یہاں سے نکلوا دوں اور ایسی سزا دوں کہ پھر کسی کی چغلی اور لگائی بجھائی کی جرات نہ ہو سکے' مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ معاملے کی تحقیق کروں۔ اگر تو جھوٹا ثابت ہو جائے تو تجھے کہیں کا نہ چھوڑوں گا' اگر سچا ثابت ہوا تب بھی چغل خور اور بد خواہ کو قریب رکھنا اچھا نہیں ہے۔ بتا کیا چاہتا ہے؟ ابن طباطبا نے لکھا ہے کہ کھیل بگڑتے دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑے اور معافی مانگی اور کہا۔ میں جھوٹا ہوں محض اپنے انتقام اور فائدے کی غرض سے یہ افسانہ گھڑا تھا۔ مجھے معاف کیجئے۔

عبدالعزیز بن مروان نے کہا۔ تجھے سزا دیئے بغیر چھوڑنا مناسب تو نہ تھا' مگر اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے لہٰذا خدا کی خوشنودی کے لئے چھوڑتا ہوں۔ بہتر ہے کہ یہاں سے نکل جا اور پھر ادھر آنے کا رخ نہ کر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں دو قبروں پر عذاب ہوتے دیکھا۔ جن میں سے ایک کے بارے میں فرمایا۔ یہ چغل خور اور لگائی بجھائی کر کے لوگوں کو لڑانے والا تھا۔

4۔ حضرت امام زین العابدینؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا۔ حضرت فلاں آدمی آپ کے حق میں برائی بیان کرتا ہے۔ پوچھا گالیاں دیتا ہے؟ کہا جی ہاں۔ فرمایا۔ چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ اطلاع دینے والا خوش تھا کہ تیر نشانے پر لگا۔ اب خوب لڑائی

ہو گی' تماشا ہو گا' مگر وہ شخص حیران رہ گیا کہ امام صاحب ؒ اس شخص کے پاس گئے اور فرمایا۔ "جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا ہے اگر سچ ہے تو خدا میری بخشش فرمائے اور جھوٹ ہے تو خدا تمہاری بخشش فرمائے"

5۔ حضرت عمرو بن دینار ؒ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے ایک سرے پر ایک شخص رہتا تھا تو دوسرے سرے پر اس کی بہن رہتی تھی' بہن کی بیماری کے دوران وہ شخص اس کی عیادت کرتا۔ ایک دن بہن کا انتقال ہو گیا۔ بہن کو دفنا کر واپس ہوا تو پتہ چلا کہ بہن کو دفناتے وقت کمر کے ساتھ بندھی ہوئی تھیلی وہیں قبر میں رہ گئی ہے۔ دوڑتا ہوا گیا اور قبر کھودنے لگا۔ قبر کھودی گئی۔ امام غزالی ؒ نے یہ واقعہ مکاشفتہ القلوب میں بیان فرمایا ہے کہ بھائی نے دیکھا کہ قبر آگ سے جل رہی تھی' بھائی نے جلدی جلدی تختی جوڑے' مٹی برابر کی اور دوڑتا ہوا ماں کے پاس آیا اور پوچھا بہن میں ایسی کیا برائی تھی کہ قبر میں یہ حالت ہے؟ ماں نے کہا۔ بیٹا وہ چغل خور تھی۔ لگائی بجھائی اس کا شغل اور عادت تھی۔ غلط باتیں کر کے اختلافات کو ہوا دیتی رہتی تھی۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ چغلی کھانے والے کی کوئی نیکی نہیں لکھی جاتی۔

6۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں سب سے دریافت فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے سب سے برا آدمی کون ہے' صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا سب سے برا آدمی وہ ہے جو چغلی کھاتا ہے' دو آدمیوں میں لڑائی ڈالتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کسی نے مسلمانوں کے خلاف جھوٹ پھیلایا' اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلیل کرے گا۔ جھوٹی بات پھیلانے والا منافق ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

7۔ حضور ﷺ کو معراج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیاں تمثیل کی صورت میں دکھائی تھیں۔ ایک موقعہ پر انہوں نے دیکھا کہ پتھر کے ایک چھوٹے سے شگاف میں سے ایک چیز باہر نکلی جو بہت بڑے بھینسے کی شکل اختیار کر گئی اور پھر دیکھا کہ وہ چیز بھینسے کی صورت میں اس کوشش میں لگی ہے کہ دوبارہ اس جسم اور جثے کے ساتھ اسی سوراخ میں داخل ہو جائے۔ بہت زور لگایا۔ پوری قوت سے سینگ استعمال کئے' ماتھا ٹکرایا' لیکن چھوٹے سے اس سوراخ میں دوبارہ

داخل ہونا ناممکن تھا۔ جبرائیل امین آپ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے ان سے اس تمثیل کی وضاحت چاہی تو جواب ملا کہ منہ سے نکلی ہوئی بری بات یا افواہ جب ایک بار منہ سے نکل جاتی ہے وہ اپنے نتائج اور عواقب کے اعتبار سے بھینسا بن جاتی ہے جس کا دوبارہ منہ میں ڈالنا اور نتائج و اثرات کو روکنا اسی طرح ناممکن ہے جیسا کہ بھینسے کا دوبارہ سوراخ میں داخل ہونا کہتے ہیں "منہ سے نکلی تو کوٹھوں پر چڑھی" جو بات منہ سے نکلتی ہے وہ لوٹ کر نہیں آتی۔ خواہ آدمی کتنی ہی کوشش کرے۔ حضور ﷺ کو یہی حقیقت اس تمثیل میں سمجھائی گئی تھی کہ افواہ یا جھوٹی خبر جب تک کہنے والے کے منہ میں ہوتی ہے تو چھوٹی ہوتی ہے۔ جب منہ سے نکلتی ہے تو پر سے کوا، سینگ سے بھینسا اور رائی کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ لوگ اس میں اضافے کر کے منہ کا مزہ اور زبان کے چٹخارے لیتے ہیں۔ تہمت لگانا، افواہ پھیلانا، ایسی بیماریاں ہیں جو معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی نقصان کا موجب ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ جب تک کسی شخص، کسی ملک اور کسی قوم کے بارے میں کسی خبر کی تصدیق نہ ہو جائے اس کا بیان کرنا یا اس پر کسی ردعمل کا اظہار کرنا گناہ ہے اور اسلام کے پاکیزہ معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے۔ سچ کے آتے آتے جھوٹ تباہی پھیلا دیتا ہے۔

آخری بات

یاد رکھنے اور عمل کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم سنی سنائی بات پر بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے اور خبر دینے والے کی سیرت و کردار کو سمجھے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں تاکہ ہمارے درمیان غلط فہمیاں پھیل کر ہمارے برادرانہ، دوستانہ مراسم اور شہری روابط خراب نہ ہوں اور باہمی محبت اور ایک دوسرے پر اعتبار کی فضاء جو ہمارے، معاشرتی زندگی کے لئے ضروری ہے میلی اور مکدر نہ ہو جائے۔ ہم دشمنیوں اور نفرتوں کا شکار نہ ہو جائیں اور یہ بات اس قسم کی لگائی بجھائی کرنے والوں کے لئے بھی لازمی ہے کہ ایسے لوگ خدا کی ناراضگی، قبر کے عذاب اور جنت سے محرومی کے مستحق نہ ہو جائیں۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(بشکریہ ماہنامہ خطیب)

درس حدیث

عن مطرف عن ابیه قال اتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو یقرا الهکم التکاثر قال یقول ابن ادم مالی مالی قال وهل لک یا ابن ادم الا ما اکلت فافنیت اولبست فابلیت او تصدقت فامضیت

ترجمہ! مطرف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ سورۃ الھکم التکاثر تلاوت فرما رہے تھے اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ آدمی کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال کیا آدمی کا مال اتنا ہی نہیں جتنا وہ کھا کر فنا کردے یا پہن کر پرانا کردے۔ یا صدقہ دے کر آخرت کے فائدے کے لئے بھیج دے (مشکوۃ شریف۔ کتاب الرقاق، الفصل الاول)

الھکم التکاثر پارہ عم یتساء لون کی چھوٹی سورتوں میں سے ایک ہے جسے اکثر مغرب یا عشاء کی نماز میں سنتے رہتے ہیں اور ہم میں سے اکثر کو زبانی بھی یاد ہو گی۔ ورنہ دیکھ کر تو سینکڑوں دفعہ ہم میں سے اکثر نے پڑھا ہو گا لیکن ہم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اس کا مطلب کیا ہے اور یہ سورت ہمیں کیا سکھاتی ہے؟ اس حدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اس سورت کا مطلب سمجھ لیں یہاں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے آئندہ جب بھی آپ اس سورت کو سنیں اور پڑھیں تو اس مطلب کو سامنے رکھیں اور پھر رسول ﷺ نے اس کو پڑھنے کے بعد فرمایا اس پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا مسلمان اس وقت اسی طریقہ پر چل رہے ہیں جو یہ سورت ہمیں سکھاتی ہیں یا جو حدیث ہمیں بتلاتی ہے اب پہلے سورت کا مطلب سنئے ارشاد ہے لوگو! تم اس دھن میں لگے رہتے

ہو کہ دنیا کے مال و دولت اور سامان میں سب سے بڑھ جاؤ اور اس خیال میں سب کچھ بھول جاتے ہو۔ تمہیں مرتے دم تک اس حرص و ہوا کی آفت سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا سنو۔ دوسروں سے دولت ' عزت وغیرہ میں یہ مقابلہ بیہودہ بات ہے اور یہ تمہیں مرتے دم تک اس حرص و ہوا کی آفت سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا سنو! دوسروں سے دولت ' عزت وغیرہ میں یہ مقابلہ بڑی بیہودہ بات ہے اور یہ تمہیں جلدی ہی معلوم ہو جائے گا کہ تم سخت غلطی میں تھے اگر تم دنیا اور اس کے سامان کی حقیقت پر غور کرو تو تم اب بھی سمجھ سکتے ہو کہ یہ سچ ہے سنو اس میں پھنسے رہنا تمہیں دوزخ میں ڈلوائے گا۔ جب جا کر تمہاری آنکھیں کھلیں گی۔ اس وقت تم سے پوچھا جائے گا کیوں؟ بتاؤ دنیا کے عیش و عشرت کا نتیجہ کیا ہوا؟

رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو پڑھ کر جو فرمایا اب وہ بھی سن لیجئے "آدمی دنیا کا سامان اکٹھا کرنے میں لگا رہتا ہے اور میرا مال میرا مال کرتا رہتا ہے کیا اس نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اس کا مال فقط اتنا ہے جتنا وہ کھاپی کر خرچ کر ڈالے یا جس سے کپڑے بنا کر پہن لے اور انہیں بوسیدہ کر کے پھینک دے یا خیرات کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ کر لے اب ہمارا حال کیا ہے کہ ہر ایک سب سے روپیہ بٹورنا چاہتا ہے اور لوگوں سے جس طرح ہو سکے چھین چھین کر جمع کرنا چاہتا ہے ساری زمین ہتھیانا چاہتا ہے سب سے اچھے مکان اور سب سے بڑھیا لباس اپنے قبضہ کرنا چاہتا ہے اور ہر وقت انہی چیزوں کے بڑھانے کے فکر میں رہتا ہے کیا اس سورت اور اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ ہماری حرکت بالکل نازیبا ہے اس کا انجام بہت برا ہو گا۔ (بشکریہ۔ ماہنامہ خطیب)

صدائے فقیر

روزے روز روز نہیں آتے

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہو تقویٰ کی اہمیت سمجھ میں آسکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔ حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔ دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔ یہی تقویٰ کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا و ہوس سے بچتا ہوا اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ یہ تقویٰ ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لئے ہے۔ جو دنیا میں ظلم و ستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔ اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کر ڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی۔ اہل ایمان کو بھی یہ حکم

دیا گیا کہ مال و اولاد کی محبت تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے۔ جو بھی ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت انہی لوگوں کو عطا ہو گی جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کے لئے ہی پیدا فرمائی ہیں تاکہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے رب کے احسانات تسلیم کرکے اس کی شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت کی راہ میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ تقویٰ کا تقاضا بس یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے تقویٰ کی صفت کے اظہار کے لئے ایک نہایت بلیغ مثال بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح خار دار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر کو سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ جانے سے بھی پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو۔ یہی تقویٰ کی مثال ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کرلی جس کے اٹھانے سے زمین' آسمان اور پہاڑ عاجز آگئے تھے۔ اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو خار زار حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گذر جائے۔ یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر طے کی جا سکتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی روزے لکھ دئے گئے ہیں تاکہ تم تقویٰ حاصل کرسکو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تقویٰ کے حصول کے لئے روزہ ہی بہترین' لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کے لئے اسے فرض قرار دیا گیا۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسواء اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ تقویٰ کی تقویت کے لئے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے

تاکہ اہل ایمان کھانے' پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کر کے یہ ثابت کردیں کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے لئے سب کچھ قربان کرسکتے ہیں۔ ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض وغایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جاسکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔ آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ گویا ماکولات و مشروبات سے رکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رہنا ہے۔ یہی امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیونکہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا یا رک جانا ہے۔ دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔ یہ سیلف کنٹرول یعنی ضبط نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے نماز تراویح' نوافل' مالی صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھروں میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔ دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کماحقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ کے لئے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔ اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ کے دوران ابلیس اور اس کے کارندوں کو قید کر لیا جاتا ہے۔ اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش

کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کر لیں تاکہ اللہ کا مزید قرب حاصل کر سکیں۔ اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کر لیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گزشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ وہ ہماری حالت کو صرف اسی صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفسوں کو بدلنے کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر ہو' میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی فکر ہو' اس کی رضا اور رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ جو رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہو سکتی ہیں۔ رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے روزے بھی نہیں کر سکتے۔ ایسے روزے روز روز نہیں آتے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور عفو و درگزر کے لئے التجائیں کرنے کا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ پوری ہمت صرف کر دیں۔ قلت طعام و منام کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر' کثرت تلاوت قرآن' کثرت درود شریف' کثرت صدقات اور صلوٰۃ تراویح و نوافل سے روحانی ترقی کے نادر مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تاکہ ہمارا نفس سرکشی کی روش ترک کر دے اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے' اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور بلند ہو جائے کہ سال بھر کے لئے کافی ہو جائے۔ ہر کورس اور تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب و نفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقویٰ کی مطلوبہ قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ یہی اصل عید اور عید کا حقیقی پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین' خالد مسعود)

1۔ کرامتیں نہیں اللہ کا قرب

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1966-3-4)

"میری کراماتیں تو ہزاروں ہیں۔ کتاب میں لکھی جائیں تو کئی سو صفحات کی کتاب بن جائے۔ مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا اور میرے حلقہ والے بھی جو یہ کرامات دیکھتے ہیں زیادہ پروا نہیں کرتے۔ لڑائی (1965ء پاک بھارت جنگ) کے دوران بیسیوں کے خط آئے کہ ہم نے آپ کو اپنے پاس دیکھا۔ آپ نے ہماری مدد کی۔ وغیرہ ابھی منگلا ڈیم سے ایک صاحب نذیر احمد ملنے آئے تھے۔ صرف یہ بتانے کو کہ میں بجلی گھر میں سپر وائزر ہوں میں نے غلطی سے ننگے تار کو پکڑ لیا جس میں 440 وولٹ کی بجلی دوڑ رہی تھی۔ تار پکڑتے ہی جو محسوس ہوا تو زور سے پکارا "انصاری صاحب" اور فوراً سارے کارخانے کی بجلی ختم ہوگئی اور میرا ہاتھ چھٹ گیا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ ہمارا حلقہ تو اصلاح کرنے اور خدا کا قرب حاصل کرانے کے لئے بنایا گیا ہے کرامتیں دکھانے کے لئے نہیں"

2۔ قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ہے

(بنام مخدوم ریاض حسین 64-12-26)

"آپ مجھ سے غلط قسم کی توقعات رکھتے ہیں۔ مجھ کو نہ علم غیب ہے نہ اللہ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ نہ میں اپنا برا بھلا کر سکتا ہوں نہ کسی دوسرے

کا۔ صرف ٹیچر ہوں۔ جو کوئی اللہ اللہ سیکھنا چاہے اسے سبق دے دیتا ہوں۔ وہ یاد کرے تو اس کی ترقی ہو جاتی ہے۔ نہ کرے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ دعا کر سکتا ہوں سو وہ میں کرتا رہتا ہوں اور جو قاعدہ ہے اس طرح کرتا ہوں۔ قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ہے میں اللہ کو مجبور نہیں کر سکتا"

3۔ گیارھویں شریف

(بنام محمد قاسم صاحب 64-2-27)

"محمد اکرم صاحب کے اکتالیس روپے آپ نے لے لئے اچھا کیا۔ انکار کرنا بھی خلاف اخلاق تھا۔ وہ گیارہویں والے آدمی ہیں ہمارا انکا نباہ نہ ہو گا۔ ویسے آپ دیکھ لیں میں گیارھویں کے خلاف تو نہیں ہوں لیکن یہ لوگ جو عقیدہ حضرت غوث الاعظمؒ سے رکھتے ہیں اور جس نیت سے گیارھویں کراتے ہیں اس کے خلاف ہوں۔ گیارھویں تاریخ کی تخصیص کے بھی خلاف ہوں"

4۔ اللہ کا انتظام

(بنام محمد قاسم صاحب 65-3-4)

"پھر بھی موت کا وقت کسے معلوم ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں خدا جانے کس وقت بلاوا آ جائے۔ میں مر بھی جاؤں تو آپ کا سلوک تو مکمل ہو کر رہے گا۔ یہ کوئی میرے ہاتھ میں، نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا انتظام ہے۔ جیسے ہر ایک کا رزق مقرر کیا ہوا ہے ایسے ہی ہر ایک کی روحانی ترقی مقرر کی ہوئی ہے۔ آپ کے لئے جو کچھ ہے مل کر رہے گا"

ہرنوں کی لکھی ڈار

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ارشاد فرمایا "جماعت کی بڑی برکت اور قوت ہوتی ہے۔ کمزور اور ست بھائی بھی جماعت کے ساتھ مل کر چلتے رہتے ہیں اور اللہ کے فضل سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سب بھائیوں کو چاہئے کہ حلقہ ذکر کی مجالس میں ذوق شوق سے شامل ہوا کریں اور آپس میں رابطہ رکھیں۔ ہندوستان کے ایک جنگل میں ہرن بڑی کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ان کا ایک بہت بڑا گروہ اکٹھا چلتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس میں ایک لاکھ ہرن ہیں اور اسی وجہ سے اسے لکھی ڈار کہتے تھے۔ اس کے بارے میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ اسے کسی بزرگ کی دعا ہے جس کی وجہ سے اس ڈار کے کسی ہرن کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی ہرن بندوق کا فائر لگ جانے سے گر بھی جائے تو وہ دوبارہ کھڑا ہو کر ڈار کے ساتھ ہی بھاگ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم بھی چند ساتھیوں کے ساتھ اس جنگل میں شکار کے لئے گئے۔ ہم تو پریمی آدمی ہیں ہم نے کیا شکار کھیلنا تھا بس دوستوں کے ساتھ چلے گئے۔ ہم تو گوشت بھی اس لئے کھا لیتے ہیں کہ شریعت نے حلال کر رکھا ہے ورنہ ان جانوروں کو بھی ذبح کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہمارا بھی اتفاق سے ہرنوں کی اس ڈار سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ہمارے ایک ساتھی نے بندوق چلائی تو ایک ہرن گر پڑا۔ ہم اسے پکڑنے کو دوڑے۔ لیکن ابھی ہم دور ہی تھے کہ وہ اٹھ بھاگا اور اپنے ساتھیوں میں شامل ہو کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ دراصل کسی بھی جانور کو اگر گولی وغیرہ لگ جائے تو وہ گرنے کے بعد دوبارہ کھڑا ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوتا تھا کہ زخمی ہرن دوبارہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا لیکن ڈار کے ہرن اتنے قریب مل کر چلتے کہ وہ اپنے زخمی ساتھی کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹتے لئے جاتے اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ جو ہرن زیادہ زخمی ہوتا وہ دور جا کر کہیں نہ کہیں گر ہی جاتا ہوگا۔ اسی طرح ان میں سے کئی مر بھی جاتے ہوں گے۔ لیکن یہ جماعت کی مسلسل حرکت اور قوت کا کرشمہ تھا کہ وہ اپنے زخمی اور کمزور ساتھی کو بھی گرنے نہیں دیتے تھے اور وہ میلوں اپنے گروہ کے سہارے دوڑتا چلا جاتا تھا"

تصوف کی حقیقت

(بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تعمیر ملت" میں تصوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ حکمت یعنی تصوف اشرف اور افضل ترین علم ہے۔ اس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے۔ روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیائے عظام علیہم السلام کی زیارت میسر آتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار و تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف دین و دنیا میں امت محمدیہ ﷺ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لئے بیکار ہے۔ ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویذ گنڈوں اور دم درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں۔ یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے اولاد پیدا ہو جائے یا کچھ کفار و مشرکین مسلمان ہو کر ملت کی تعداد میں بیکار لوگوں کا اضافہ کر دیں۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا مسلمان اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و توجہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں۔ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ سستی و کاہلی چھوڑ کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت کا جنون ان کے لئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کے لئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے اپنا منہ موڑ کر اللہ کی طرف کر لیں"۔

آپ نے 13 اپریل 1962ء کو چوتھے سالانہ اجتماع میں خطاب کے دوران اپنے مرشد حضرت

مولانا کریم الدین احمدؒ کی تعلیم کا لب لباب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"صوفیوں اور فقیروں کی قسمیں تو ہزاروں ہیں لیکن تصوف کی قسمیں صرف دو ہیں۔ ایک صحوی، دوسری سکری، صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار اور سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کار فرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام رازہائے سربستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار ایک صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور آئندہ صدیوں تک آنے والے واقعات اور انقلابات کو اس طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیسے روز روشن میں یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم و فراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی قوم کے لئے اپنے علم و فراست کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور دستور پیش کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے نو سو ننانوے خفتہ صوفی ہی ہیں۔ ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔ نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔ نہ زندگی کے راز سے باخبر ہیں۔ نہ دور حاضرہ کے مسائل سے واقف ہیں۔ ہر وقت روحانی کیف و استغراق میں مدہوش و مبتلا "لا اور پلا لا اور پلا" کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا ہی پتہ نہیں، دوسروں کی اصلاح کیا کریں گے اور قوم کو سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض بعض میں بڑی روحانی طاقت و قدرت ہوتی ہے۔ وہ مردے زندہ کر سکتے ہیں۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب بیکار ہے۔ جتنے پیغمبر دنیا میں آئے، سب کے سب اپنی قوم کی ہدایت اور خدمت کے لئے آئے تھے۔ ان پیغمبروں کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتیں اور بے پناہ طاقتیں دی تھیں لیکن سبھی نے ان طاقتوں اور صلاحیتوں کو اپنی قوم کی اصلاح اور بہبودی کے لئے صرف کیا۔ کسی ایک نے بھی کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے کہ جس صوفی یا بزرگ میں اس قسم کی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح و فلاح کے لئے صرف نہ کرے، خودی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیروکار نہیں اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعایا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابل قدر چیز نہیں ہے بلکہ اس سے تو قوم کو اتنا نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے بچتے بچتے مشرک ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہوگا"

آگے چل کر آپ نے ارشاد فرمایا "یہ سب کچھ میں نے آپ کے سامنے محض اس لئے بیان کیا ہے تاکہ آپ کی سمجھ میں آجائے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ تصوف میں میرا رنگ اور عقائد کیا ہیں اور میں آپ لوگوں کو کیا سکھانا اور کیا بنانا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میں تم سب کو بیدار بلکہ زندہ صوفی بنانا چاہتا ہوں۔ جو لوگ میری اس تعلیم پر عمل کریں گے، دین و دنیا میں سرخرو ہوں گے اور جو اس سے برگشتہ ہو کر صرف شراب طہوری کے نشہ میں بے خودی اور سرمستی کے مزے لوٹتے رہیں گے وہ آخر کار خراب و خوار ہوں گے اور پچھتائیں گے۔ یہ شرابی تصوف قوم کے لئے موت کا پیغام ہے۔ یہ آدمی کو ست "کاہل" بیکار اور نکما بناتا ہے۔ غور تو کرو کہ ایسے صوفی اور چرسی یا بھنگڑی میں کیا فرق ہے؟"

آپ نے اپنے دوسرے خطبے میں تصوف کی تعریف اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا "یہ ایک علم ہے جس کا موضوع ہے ان طاقتوں اور ہستیوں کی حقیقت معلوم کرنا جن پر ہمارے دین کی بنیاد قائم ہے اور جن کو بغیر دیکھے اور بغیر ثبوت کے ماننا ہمارا پہلا فرض ہے۔ انہی کے مان لینے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ وہ طاقتیں اور ہستیاں ہیں اللہ "فرشتے" الہامی کتب، رسول، قیامت کا دن اور حیات بعد الموت اور جزا و سزا کے سلسلہ میں جنت اور دوزخ۔ اب رہی دوسری بات کہ ہم کو ان باتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے تو وہ چند باتیں ہیں۔ یعنی اول تو انسان کو اپنی زندگی ظاہری اور باطنی دونوں طرح پاکیزہ بنانی پڑتی ہے۔ پھر اس کو اپنے اخلاق کا تزکیہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ کوشش کرنی پڑتی ہے کہ جتنی اخلاقی برائیاں ہیں وہ سب دور ہوں اور جتنی خوبیاں ہیں وہ سب پیدا ہو جائیں۔ اس کے لئے کچھ ریاضت اور مجاہدہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو شریعت کی پوری پابندی کرنی اور ہر لحاظ سے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا پڑتا ہے۔ سنت اور اتک

ایسا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بزرگی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ انسان کامل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ تھوڑی محنت اور تھوڑا عمل کرتے ہیں ان کو تھوڑا سا حصہ مل جاتا ہے اور جو زیادہ کرتے ہیں ان کو زیادہ۔ بد نصیب اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جو کچھ بھی نہیں کرتے اور اپنے مرشد کے سر رہتے ہیں کہ ایک نظر میں کامل بنا دو"

موجودہ دور میں کئی لوگ ایسے ہیں جو روحانی کیفیت و سرور کو ہی بزرگی کا کمال سمجھ کر نماز جیسی اہم ترین عبادت ترک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عملیات کے زور پر پیری مریدی کرنے والے نام نہاد صوفی حضرات خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی منع کرتے ہیں۔ عوام اپنی کم علمی اور جہالت کی بناء پر ان کو بھی بزرگ سمجھ لیتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر اپنی عزت اور دین و ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ بانی سلسلہ توحیدیہؒ نے اپنے چھٹے خطبے میں نماز کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا۔

"جو لوگ نماز و روزے کے پابند اور ذکر باقاعدگی کے ساتھ کرتے ہیں ان کا کیا ہی کہنا ہے۔ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نماز کا اور زیادہ شوق عطا فرمائے اور ان کی نمازوں کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنائے۔ آمین! لیکن افسوس ہے ان کی حالت پر جو نماز باقاعدہ نہیں پڑھتے یا عرصہ دراز تک ناغہ کر دیتے ہیں ان لوگوں کو طریقت توحیدیہ غور سے پڑھنی چاہئے کہ نماز باقاعدہ پڑھنے سے ہی انسان پکا مسلمان بنتا ہے اور جو پکا مسلمان ہی نہ ہو وہ لاکھ ذکر کرے مومن کس طرح بن سکتا ہے اور درجہ احسان پر کس طرح فائز ہو سکتا ہے"

اعلیٰ روحانی مراتب اور قطع ماسویٰ اللہ

مرشد کا بتایا ہوا اللہ کا ذکر اگر صحیح طریقہ اور باقدگی کے ساتھ کیا جائے تو اللہ کے فضل سے چند ماہ کے اندر ہی سالک کا قلب جاگ اٹھتا ہے۔ اس میں اللہ کی محبت کی حرارت اور عشق کا سوز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سالک کیف و سرور اور اطمینان قلب جیسی نایاب دولت سے آشنا ہوتا ہے اور وہ مزید ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کی محبت کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر دو تین سال استقامت کے ساتھ تعلیم پر عمل کیا جائے تو سالک کو وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے وہم و خیال میں بھی نہ گزرا تھا۔ اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر چل رہا ہے اور ضرور اپنی

مراد کو پہنچے گا۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم میں روحانی لحاظ سے مقصود و مطلوب کشف القبور، کیف و سرور اور کرامات کا حصول نہیں بلکہ ان سب سے کہیں آگے اور آخری منزل اللہ کا دیدار ہے۔ اس بلند مرتبہ تک پہنچنے کے لئے جس قسم کے کردار اور صلاحیت کی ضرورت ہے اس کے بارے میں آپؒ کے ارشادات بلند ہمت سالکین کے لئے فکر و عمل کی نئی راہیں کھول دیتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

"اعلیٰ درجہ کی بزرگی حاصل کرنے اور مراتب اعلیٰ تک پہنچنے یعنی قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے قطع ماسویٰ اللہ کی صفت بدرجہ کمال پیدا کرنی پڑتی ہے۔ اوسط درجے کا بزرگ بننے کے لئے بھی یہ ضروری تو ہے مگر اس قدر زیادہ نہیں۔ قطع ماسویٰ اللہ کیا ہے؟ یہ کہ سالک کا دلی تعلق اللہ کے سوائے دنیا کی کسی شے مثلاً" بیوی، بچے، روپیہ پیسہ، عیش و عشرت وغیرہ کسی چیز سے سوت کے دھاگے کے برابر بھی قائم نہ رہے۔ لیکن حقوق العباد کما حقہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن کرنے والوں کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہزاروں نے کیا ہے، اب کر رہے ہیں، اور آئندہ کریں گے۔ طلب صحیح، ہمت بلند اور عمل پیہم کی ضرورت ہے" (چراغ راہ دسواں خطبہ)

"یہ سب کچھ دس پانچ ماہ یا دو چار سال میں نہیں ہو سکتا۔ اس مرتبہ تک پہنچنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے۔ ہمارے حلقہ کے جو دوست دو چار سال اللہ اللہ کرنے کے بعد ہی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ابھی تک تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ وہ شاید قرب و عرفان باری تعالیٰ کو مذاق یا دل لگی خیال کرتے ہیں یا کوئی ایسی سستی چیز سمجھتے ہیں جو بازار سے پیسے دے کر خریدی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تمام عمر محنت اور اللہ اللہ کرنے کے بعد، مرتے وقت بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں ہے کیونکہ روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس کی محبت میں اس دنیا سے سفر کرتی ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس دنیا میں قرب و عرفان یا لقاء باری تعالیٰ حاصل نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تو ضرور یہ سب چیزیں حاصل ہو جائیں گی۔ آپ کو سوچنا چاہئے کہ انسان کا ابدی گھر تو وہی ہے۔ اگر وہ ایک آدمی اللہ کے مقربین میں ہو تو پھر اس کو اور کیا چاہئے" (چراغ راہ چوتھا خطبہ)

"قطع ماسویٰ اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک میں تسلیم و رضا کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی جو

پھر بھی واقعات اس کو پیش آتے ہیں خواہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں یا مخالف وہ پہلے ان پر صبر کرنا سیکھتا ہے اور بعد میں بدترین حالات میں بھی اس کو خوشی حاصل ہونے لگتی ہے۔ یہی تسلیم و رضائی الٰہی اور عبدیت کا مرتبہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو عبدیت کا مرتبہ بدرجہ کمال حاصل تھا۔ یہی مرتبہ سلوک اور تصوف میں سب سے بلند اور اعلیٰ و افضل ہے۔ تم خود سوچو کہ یہ کیسی بندگی اور کہاں کی عبودیت ہے کہ جب تک اللہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا رہے یعنی صحت، دولت، مسرت اور دوسری نعمتیں جتنی تم چاہو تم کو دیتا رہے۔ اس وقت تک تو تم اس سے خوش رہو، اس کو یاد کرو، اس کا شکر ادا کرو۔ اور جب یہ کام تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہوں یعنی کوئی بیماری تم کو یا تمہارے متعلقین کو آن دبائے یا فاقے ہونے لگیں یا دوسرے تفکرات آندھی اور گھٹا کی طرح تم کو گھیر لیں تو تم اللہ سے ناراض ہو جاؤ۔ اس کی عبادت چھوڑ دو اور شکایتیں کرنے لگو۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اللہ کی مرضی کے مطابق رہنا نہیں چاہتے بلکہ اللہ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہو۔ استغفراللہ ایسے لوگوں کو خدا کا دیدار اور عرفان کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ البتہ جو سالک ان آزمائشوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ تقرب، دیدار اور عرفان کی لازوال دولت سے کبھی محروم نہیں رہتے۔ خوب یاد رکھو کہ فقیری بچوں کا کھیل نہیں بلکہ دنیا کی سب سے مشکل اور کٹھن چیز ہے اور بڑی محنت و مشقت اور جان جوکھوں سے ہاتھ آتی ہے۔ یہ منہ کا نوالہ نہیں کہ آج اللہ اللہ شروع کی اور ماہ دو ماہ بعد لگے شکایت کرنے کہ ابھی تک ہم کو اللہ کے حسن لازوال کی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ اس لئے ابتداء ہی سے تم کو یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر اللہ اللہ شروع کرنا چاہئے اور اگر تم اپنے آپ کو ان آزمائشوں کا اہل نہیں پاتے تو پھر یا تو سلوک شروع ہی نہ کرو یا اتنی بلندی تک پہنچنے کے خواب نہ دیکھو جہاں اللہ کا دیدار اور قرب میسر آتا ہے۔ بس جو کچھ مل جائے اسی پر اکتفا کرو اور خوش رہو کیونکہ فقر کا تو ایک پیسہ بھی دنیوی دولت کے لاکھوں کروڑوں روپے سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے" (طریقت توحیدیہ صفحہ ۳۶ یا ۳۸)

"اب آپ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جانی چاہئے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ کہ جو کچھ اس کو کرنا ہے وہی ہو گا اور اس میں ہمارا فائدہ ہے اور آنے والی مصیبتوں کو اگر کوئی ٹال سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے۔ لہٰذا اسی سے دعا کرو۔ اسی کے آگے روؤ اور اسی سے مانگو جو

سکتا ہے۔ ہر گز کسی زندہ یا مردہ بزرگ سے استعانت نہ چاہو۔ اللہ کا ڈائریکٹ تعلق اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وہ سمیع ہے' بصیر ہے' مجیب الدعوات ہے۔ اگر اس پر بھی تمہاری دعا قبول نہ ہو تو سمجھ لو کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو خدا اس کو تمہارے لئے اچھا نہیں سمجھتا۔ لہٰذا اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دو اور جو کچھ بھی ہو اسی پر خوش رہو' کیا مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا سے ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا رہے اس وقت تک وہ تمہارا خدا اور تم اس کے بندے ہو اور جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا اور کس کی بندگی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

"اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا اور راضی برضائے الٰہی رہنا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل الٹا ہے۔ ہمارے حلقہ والوں کے جو خطوط آتے ہیں ان میں اسی فیصد ایسی درخواستیں اور مطالبات ہوتے ہیں کہ گویا میں خود خدا ہوں (نعوذ باللہ) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ کیا میری تعلیم کا یہی اثر ہوا ہے۔ کیا یہ لوگ کسی لحاظ سے بھی توحیدی کہلانے کے مستحق ہیں؟" (چراغ راہ' آخری خطبہ)

"تعمیر ملت' طریقت توحیدیہ' خطبوں اور ذاتی میں' میں نے تو بار بار یہی لکھا ہے اور تقریروں میں ہزاروں بار یہی کہا ہے کہ مجھ میں مطلق یہ طاقت نہیں کہ تمہارے بگڑے کام بنا سکوں' تمہاری تقدیر بدل سکوں یا تمہاری مشکلیں آسان کر سکوں۔ میں تو خود ایک عاجز انسان ہوں۔ مجھ پر خود ساری عمر مصیبتیں پڑتی رہیں مگر کسی ایک کو بھی دور نہ کر سکا۔ ہاں یہ میں ضرور کر سکتا ہوں کہ تمہارے لئے دعا کر دوں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول ؐ کے بتائے ہوئے ہدایت کے راستہ کی نشاندہی کر دوں تاکہ اس راستہ پر کچھ عرصہ ثابت قدمی سے چلنے کے بعد خود تمہارے دلوں میں وہ بات پیدا ہو جائے۔ افسوس کہ یہ لوگ اس بات کی قدر ہی نہیں جانتے اور میرا کہا بالکل نہیں مانتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مجھ سے تو بیسیوں ایسی باتوں کی فرمائش کی جاتی ہے جن کو پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور خود ان دو چار باتوں پر بھی عمل نہیں کرتے جو میں نے انہیں کے فائدے کے لئے ان کو بتائی ہیں اور جن کا کرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے' آمین" (چراغ راہ چھٹا خطبہ)

ادب بارگاہ الٰہی

(سید ابوبکر غزنویؒ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بعض لوگ انبیاء اور صلحاء کا احترام تو ملحوظ رکھتے ہیں اور زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکالتے جس سے ان کی تعظیم میں کوئی فرق آئے یا جس سے ان کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو' لیکن اللہ عزوجل و تبارک و تعالیٰ کے بارے میں ان کی زبانیں چھوٹ ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ خدا کو جو جی میں آئے کہہ لو مگر حضور ﷺ کی شان میں گستاخی نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی موجب حرماں ہے لیکن بارگاہ الٰہی کے آداب ملحوظ نہ رکھنا بھی صریحاً گمراہی ہے آیئے کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھیں کہ آداب بارگاہ الٰہی کے کیا سلیقے ہمیں سکھائے گئے ہیں۔

آدم و ابلیس کے قصے پر ایک نظر ڈالیے۔ ابلیس جب نافرمانی اور اکڑ فوں کی وجہ سے راندہ درگاہ الٰہی ہوا تو اس نے کہا

فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم (الاعراف ۔ 16)

"اے اللہ تو نے ہی مجھے گمراہ کیا ہے۔ میں تیری سیدھی راہ میں رکاوٹ بن کر بیٹھ جاؤں گا"

حضرت آدم علیہ السلام سے بھی لغزش ہوئی مگر انہوں نے یوں نہیں کہا کہ تو نے مقدر کر دیا تھا عرض کیا۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (الاعراف 23)

"اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خائب و خاسر ہو جائیں گے"

ابلیس نے اپنے جرم کا ذمہ دار خدا کو ٹھہرایا اور یہ گستاخی کی بات تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام باادب تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے خود اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ادب دیکھیے سمندروں میں کام کرنے والے مسکینوں کی کشتی کو

عیب دار کیا تو یوں کہا۔

فاردت ان اعیبھا (الکہف۔79)

"میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کردوں"

اور وہ دو یتیم بچے جن کا باپ ولی اللہ تھا۔ ان کی گرتی ہوئی دیوار بنا کر ان کا خزانہ محفوظ کرنے کا ذکر یوں کیا۔

فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما (الکہف۔82)

"تیرے رب نے چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں"

بندگی کا تقاضا ہے کہ ہر عیب اور نقص اپنے نفس کی طرف منسوب کریں۔ اپنے دامن کے داغوں کا ذمہ دار اپنے آپ کو ہی ٹھہرائیں اور تمام اچھائیاں اور بھلائیاں خداوند قدوس کی طرف منسوب کریں اور تمام محاسن اور رعنائیوں کا سرچشمہ اسی ذات کو جانیں۔

انبیاء کو دیکھیے کہ بارگاہ الٰہی میں کس قدر مودب تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

الذی خلقنی فھو یھدین – والذی ھو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھو یشفین (الشعراء۷۸۔۸۰)

"وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہی میرا ہادی ہے۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے"

آپ نے غور کیا کہ اپنی تخلیق کو اللہ کی طرف منسوب کیا۔ اپنی ہدایت کو اسی کی طرف منسوب کیا۔ کھلانے اور پلانے کو اسی کی طرف منسوب کیا۔ شفاء کو بھی اسی کی طرف منسوب کیا۔ لیکن جب بیماری کا ذکر کیا تو یہ نہیں کہا کہ جب وہ بیمار کرتا ہے بلکہ یوں کہا کہ جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ادب ملاحظہ کیجئے حضرت مسیح سے جب اللہ نے پوچھا

ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ (المائدہ 116)

"کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خداوند ٹھہرالو"

عرض کیا! ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب (المائدہ۔116)

اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کو اس کا علم ہوتا۔ آپ تو میرے جی کا سب حال جانتے ہیں اور مجھے آپ کے جی کی کوئی بات معلوم نہیں۔ یقیناً آپ سب پوشیدہ باتوں سے آگاہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہنی تو یہی بات تھی کہ لم اقلہ نہیں میں نے یہ بات نہیں کہی' لیکن احترام بارگاہ الٰہی کا تقاضا تھا کہ اسلوب میں شائستگی ہو اور بات کو نہیں نہیں سے شروع نہ کیا جائے' پھر اللہ کے حضور میں ان کی سفارش کی تو یہ نہیں کہا لا تعذبھم انہیں عذاب نہ دیجئے بلکہ یوں کہا

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم (المائدہ 118)

اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ کا حق ہے کہ نافرمانیوں پر انہیں سزا دیں اور اگر آپ انہیں بخش دیں تو آپ غالب و دانا ہیں۔ یعنی کسی عجز کی بنا پر نہیں' بلکہ انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے انہیں بخشیں گے اور آپ کی صفت حکیم کا تقاضا ہے کہ آپ انہیں معاف فرمادیں۔

انبیاء اور اولیا پر ادب کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کیفیت میں وہ اللہ تعالیٰ سے بات کرتے ہوئے نہ امر کا صیغہ بولیں' نہ نہی کا صیغہ بولیں۔ نہ فقرے کی ابتدا لفظ (نہیں) سے کریں۔

ہزار نکتہ باریک ترز مو ایں جاست

ادب کی یہی کیفیت کلیم اللہ پر طاری تھی جب انہوں نے کہا تھا

رب انی انزلت الی من خیر فقیر (القصص 24)

میرے پروردگار! آپ نے جو چیز میرے لئے مہیا کی ہے میں اس کا محتاج ہوں۔ یہ نہیں کہا اطعمنی مجھے کھانا کھلاؤ امر کے صیغے سے اجتناب کیا۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام پر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔

اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الرحمین (الانبیاء 83)

"جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف ہو گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے"

یہ نہ کہا عافنی واشفنی مجھے عافیت دے اور مجھے شفا دے۔

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے وہ انہی کے مقام ارفع و

اعلیٰ کے مطابق اور انہی کے شان کے شایان تھا۔ امام قیشری نے باب الادب کا آغاز اس آیت سے کیا۔ مازاغ البصرو ماطغی جب تجلیات الٰہی بھرپور آپ کی ذات پر وارد ہوئیں تو آپ کی نگاہ نہ دائیں جانب ہٹی اور نہ بائیں جانب پھری اور نہ حدود سے متجاوز ہو کر آگے گزری اور یہ کمال ادب ہے کہ جو کچھ دکھلانا مقصود تھا اسی پر نظریں جمی رہیں اور دائیں بائیں التفات نہ کیا۔

پھر عبودیت اور ادب کا حسن دیکھئے۔ ما کذب الفواد ماراٰی حافظ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں اس آیت کی توضیح یوں فرماتے ہیں۔ ما کذب الفواد وما راہ ببصرہ بل صدقہ وواطاہ و وافقہ جو کچھ انہوں نے آنکھ سے دیکھا' دل نے اسے جھٹلایا نہیں' بلکہ اس کی تصدیق کی اور اس کی موافقت کی یعنی قلب و نظر میں ہم آہنگی ہوئی' روح اور جسم میں ہم آہنگی ہوئی۔ بصیرت اور بصارت میں ہم آہنگی ہوئی۔ یعنی ہمہ تن ہم دل ان تجلیات میں ڈوب گئے۔ جو ان پر نازل کی گئی تھیں اور جیسے نگاہ باادب تھی دل نے بھی دائیں بائیں التفات نہ کیا اور جو کچھ دکھلانا مقصود تھا اس سے زیادہ کی تمنا نہ کی۔ انسان کی عام حالت تو یہی ہے کہ جب اسے کوئی مقام عطا کیا جاتا ہے تو وہ اس سے بلند تر مقام کی آرزو کرتا ہے۔

چوں نظر قرار گیرد بنگار خوبروئے
پتند آں زماں دل من پئے خوبتر نگارے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تو دیدار کی تمنا کی' ادب کا یہ ارفع و اعلیٰ مقام آپ ہی کے شان کے شایان تھا۔ حافظ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں لکھتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس ادب ہی کے باعث آپ کا معراج تمام انبیاء سے اتم واکمل ہوا اور وہ قرب کے اس مقام پر پہنچے جہاں کوئی نبی اور ولی نہیں پہنچ سکا۔ پس بارگاہ الٰہی کا ادب حضور ہی کی ذات گرامی سے سیکھے۔

یہ جو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ خلوت میں بھی برہنہ نہ رہو' تو اس کا باعث بھی اللہ کا ادب و تعظیم ہے۔ یہ ستر عورہ بھی ادب ہے۔ یہ نماز سے پہلے وضو کرنا اور وضو کے دوران کلیاں کرنا بھی بارگاہ الٰہی کا ادب ہے۔

ہزار بار بشویم دہن مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

ہزار بار بھی اگر مشک و گلاب سے کلیاں کروں پھر بھی تیرا پاک نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ نماز میں صرف ستر عورہ کا حکم نہیں بلکہ اخذ زینت کا حکم ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد مسجد یہاں ظرف زماں ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو۔ آہ! یہ کیسا المیہ ہے کہ تم دنیوی کاروبار کے لئے جاؤ تو بن سنور کر جاؤ۔ کسی ایرے غیرے افسر سے ملنے جاؤ تو سج دھج نکال کر جاؤ اور اس رب السموات والارض اور رزاق مطلق کی بارگاہ میں آؤ تو گندی بنیان اور غلیظ دھوتی باندھ کر چلے آؤ۔

مالکم لا ترجون للہ وقارا (نوح ۔ 13)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے اللہ کا وقار دل سے اٹھا دیا ہے۔

بعض بزرگوں کے حالات میں پڑھا ہے کہ وہ اپنا بہترین لباس نماز کے لئے مخصوص رکھتے تھے اور کہتے تھے۔ العبد ینبغی لہ ان یلبس ازین ثیابہ واجملھا فی الصلوۃ ۔۔ بندے کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنا حسین ترین لباس نماز میں پہنے۔ پھر یہ جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رکوع و سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا تو اس کا باعث یہ ہے کہ رکوع و سجود تذلل کی حالت ہے اور تذلل کی حالت میں کلام الٰہی کا پڑھنا سوء ادب ہے۔ اور یہ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز میں آسمان کی طرف مت دیکھو تو یہ بھی کمال ادب ہے کہ بندہ اپنے آقا کے سامنے سر جھکائے رکھے اور اوپر نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ

الدین کلہ ادب لکل وقت ادب ولکل مقام ادب ولکل حال ادب

دین سراسر ادب ہے۔ ہر وقت کا ایک ادب ہے۔ ہر مقام اور ہر حال کا ایک ادب ہے۔

بارہ گاہ الٰہی کے ادب کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنی عبادت کو حقیر جانے۔ تمام انبیاء اور اولیاء جنہوں نے اپنی زندگیاں ذکر و عبادت میں کھپا دیں سب کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور سب روح کی گہرائیوں سے کہہ رہے ہیں۔ ماعرفناک حق معرفتک وما عبدنک حق عبادتک تیری معرفت اور عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام رات کا بیشتر حصہ اللہ کے حضور کھڑے رہتے حتی کہ آپ کے پاؤں پر ورم آگیا' لیکن سر نیاز بارگاہ الٰہی میں جھکا ہوا تھا۔ فرماتے تھے کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہ جائے گا۔ پھر فرمایا کہ میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا جب تک اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ نہ دے (مسلم و بخاری)

یہ جو بعض مشائخ کی زبان سے اس کے برعکس بات نکلی تو وہ اگر غلبہ حال میں نکلی تو ہم ادباً" اور احتراماً" یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ غلبہ حال کی وجہ سے وہ معذور تھے اور قابل عفو مگر ان کی بات حجت تو نہیں ہو سکتی۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے کہا۔

نحن بما لوھیتنا قد جعلناک الھا ونحن بعبادتنا قد جعلناک معبودا الا تشکر لنا ربنا الھنا

ہم نے اپنی مالوہیت سے تمہیں اپنا الہ بنا دیا ہے ہم نے اپنی عبادت سے تجھے معبود بنا لیا ہے۔ اے ہمارے خدا! اے ہمارے پروردگار کیا تو ہمارا شکر گزار نہیں ہے۔

یہ بات غلبہ حال ہی میں کہی گئی ہے اور راہ صواب سے ہٹی ہوئی ہے اور قابل تقلید نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں مشائخ اور بزرگوں کے اقوال بعض اوقات باہم متناقض ہوتے ہیں کبھی کوئی بات غلبہ حال میں کہتے ہیں کبھی بشریت کا تقاضا ہوتا ہے۔ پس اللہ کے بعد حضور ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جن کی بات حجت قاطعہ ہے۔

ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم 3-4)

ان ہی کی ذات گرامی معصوم ہے باقی سب غیر معصوم اور غیر معصوم سے لغزش کا ہر آن احتمال ہے قول میں بھی اور عمل میں بھی۔ جب لغزش کا احتمال ہے تو اسے حجت کیونکر ٹھہرا سکتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں فرماتے ہیں۔

مارا بنص کار است نہ بفص۔ مارا عربی مدنی در کار است عربی مکی در کار نیست

ہمیں نص قرآنی سے کام ہے شیخ اکبرؒ کی فصوص الحکم سے نہیں۔ ہمارے لئے محمد عربی ﷺ حجت ہیں۔ محی الدین ابن عربیؒ نہیں۔ (واجب الادب ضرور ہیں)

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اسوہ محمدی ﷺ یہی ہے کہ اپنی عبادت کو حقیر جانے اور جی کی گہرائیوں سے کہے کہ تیری عبادت کا حق مجھ سے ادا نہ ہو سکا۔

قرب الٰہی کی تمام منزلیں باادب ہونے ہی سے طے ہوتی ہیں۔

از ادب زندیق صدیقے شود

بے ادب صدیق زندیقے شود

زندیق باادب ہو تو ایک دن ادب کی برکت سے مقام صدیقیت پر پہنچ جاتا ہے اور مقام صدیقیت پر فائز ہو کر کوئی بے ادب ہو جائے تو زندقت کے گڑھے میں جا گرتا ہے

گرادب در جملہ شے داری نگاہ
بیگماں گردی زخاصان الہ

(اگر ہربات میں ادب ملحوظ رکھو تو یقیناً" خاصان خدا میں سے ہو جاؤ)

عصر حاضر کے شعراء کی گستاخیاں

اس دور کے شعراء بے زمام ہوئے۔ خدا کی شان میں گستاخیاں کرنے میں بالکل چھوٹ ہو گئے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک ممتاز شاعر نے کہا۔

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

گستاخی کرنے کے لئے بھی ایک سلیقہ چاہئے۔ غالب نے بھی یہ مضمون باندھا تھا، مگر اس کے ہاں یہ پھوہڑپن تو نہ تھا۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اور

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

محض پھاوڑا چلا دیا تو شاعری نہیں ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک اور سربرآوردہ شاعر نے کہا۔

کر بھی دو معزول ان ارباب عزو جاہ کو
آسمانوں سے خدا کو اور زمیں سے شاہ کو

خدانہ ہوا معاذاللہ ان کے دفتر کا کوئی ملازم ہوا جس کی معزولی کے احکام صادر فرمارہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو تک بندی اور قافیہ پیمائی کے قابل ہوتا ہے وہ خدا کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا ہے۔

ہمارے شہر کا ایک شاعر کہتا ہے

ہماری کشتی، دل ڈوبنے پہ جب آئی
خدا سے کچھ نہ ہوا ناخدا نے کچھ نہ کیا

یہ سب ناشائستگی کی باتیں ہیں اور اس کا باعث اللہ کی عظمت اور جلال سے یکسر جاہل ہونا ہے۔ وہ جن کے جی میں اللہ کی عظمت اور ہیبت سمائی ہوتی ہے وہ شعروادب میں بھی احترام بارگاہ الہٰی ملحوظ رکھتے ہیں بلکہ خدا کی عظمت کے اظہار کا ایک ذریعہ بنالیتے ہیں۔ حضرت بو علی قلندرؒ فرماتے ہیں۔

یک واقف اسرار نبودے کہ بگوید
ازہیبت راز تو فروبستہ زبانہا

کوئی واقف اسرار نہ تھا جو تیری بات زبان پر نہ لاتا۔ تیرے راز کی ہیبت سے سب کی زبانیں گنگ ہو گئی ہیں۔

یہ سمجھنا کہ فن شاعری کا تقاضا ہے کہ دامن یزداں چاک کیا جائے غلط ہے اور شاعروں میں غیر صحتمندانہ رحجان ہے۔ مولانا رومؒ کے ایک عظیم شاعر ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے ادب بارگاہ الہٰی میں فرماتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماندازفضل رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں۔ بے ادب اللہ کے لطف و کرم سے محروم رہتا ہے۔

بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد
بلکہ آتش درھمہ آفاق زد

بے ادب خود تنہا ہی بدحال نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک دنیا کو اس کی بے ادبی کی نحوست جلا دیتی ہے۔

مائدہ از آسماں درمی رسید
بے شرا و بیع بے گفت و شنید

حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی قوم کو رزق اللہ تعالیٰ بہم پہنچا دیتے تھے۔ نہ خرید و فروخت کی

زحمت انہیں کرنا پڑتی تھی، نہ کسی سے کچھ کہنا سننا پڑتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

وانزلنا علیکم المن والسلوی (البقرہ 57)

ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل کیا

درمیان قوم موسیٰ چند کس
بے ادب گفتند کو سیرو عدس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے چند بے ادب بول اٹھے کہ ہم سے ایک ہی کھانا نہیں کھایا جاتا اور کہا کہ ہمیں ساگ پات، ککڑیاں، گیہوں، مسور اور پیاز چاہیئے

منقطع شد خوان و نان از آسماں
ماند رنج زرع و بیل ود آسماں

اس بے ادبی کی پاداش میں آسماں سے رزق موقوف ہو گیا اور کھیتی باڑی بیل اور پھاوڑے کا بکھیڑا باقی رہ گیا۔

باز عیسی چوں شفاعت کرد حق
خواں فرستادو غنیمت بر طبق

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سفارش کی تو پھر اللہ کی جانب سے طبق میں رکھا ہوا کھانا ملنے لگا۔

مائدہ از آسمان شد عائدہ
چونکہ گفت انزل علینا مائدہ

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ ہم پر رزق نازل فرما تو آسماں سے رزق آنے لگا۔

باز گستاخاں ادب بگذاشتند
چوں گدایاں زلہا برداشتند

گستاخوں نے پھر ادب کا دامن چھوڑ دیا اور گداؤں کی طرح بچا ہوا کھانا دوسرے وقت کے لئے رکھنے لگے؛ جس کی ممانعت کی گئی تھی۔

کرد عیسیٰ لابہ ایشاں را کہ ایں
دائم است و کم نگرد واز زمیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑی تواضع سے سمجھایا کہ ایسا نہ کرو، یہ رزق دائمی ہے یہ کم نہ ہو گا۔

بدگمانی کردن و حرص آوری
کفر باشد نزد خوان مہتری

اللہ کے دسترخوان پہ بیٹھ کر یوں بدگمانیاں کرنا اور حرص و آز کی باتیں کرنا کفران نعمت ہے

زاں گدا رویان نادیدہ ز آز
آں در رحمت برایشاں شد فراز
نان و خواں از آسماں شد منقطع
بعد زاں خواں شد کس منتفع

ان ندیدے گداؤں کی حرص سے رحمت کا دروازہ ان پر بند ہو گیا اور آسمانی رزق ایسا منقطع ہوا کہ پھر کوئی اس سے بہرہ یاب نہ ہو سکا۔

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم
آن زبیبا کی و گستاخی ست ہم

غم کے اندھیرے جو تیری روح پر چھا جاتے ہیں، ان کا باعث تیری بیباکیاں اور گستاخیاں ہیں

ہر کہ گستاخی کندور راہ دوست
رہزن مرداں شدو نامرد اوست

جو راہ یار میں گستاخی کرتا ہے وہ مرد نہیں ہے، مردوں کا راہزن ہے اس کی نحوست مردان راہ کے لئے بھی سد راہ بن جاتی ہے

تصوف کیا ہے

(مولانا محمد منظور نعمانی)

تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ

1361ھ کے اواخر یا 1362ھ کے اوائل میں بعض ایسے حالات سے میں دوچار ہوا کہ چند دن کسی ایسی جگہ رہنے کی میں نے ضرورت محسوس کی جہاں دل و دماغ افکار و مکروہات سے محفوظ رہیں اور قلب کو کچھ سکون و اطمینان حاصل ہو۔ اس مقصد کے لئے میری نظر انتخاب اس زمانے کے ایک صاحب ارشاد بزرگ کی خانقاہ پر پڑی جو آبادی اور آبادیوں کے شور و شغب سے الگ تھلگ جنگل میں واقع ہے اور منظر بھی سرسبز و شاداب ہے۔ بہر حال میں وہاں پہنچ گیا۔

غالباً پہلا ہی دن تھا مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ محترم بزرگ خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے' از راہ شفقت و کرم مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا۔ یاد آتا ہے کوئی تیسرا شخص اس وقت وہاں نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند ذاکر "نفی اثبات" کا اور بعض ان میں سے "اسم ذات" کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور مشائخ سلوک کے تجویز کئے ہوئے خاص طریقوں سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔ اللہ کے ذکر میں جہر و ضرب کا یہ طریقہ اس وقت میرے لئے صرف نامانوس ہی نہ تھا بلکہ کسی درجہ میں گویا ناقابل برداشت تھا' چنانچہ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا۔

"حضرت! ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے اس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپ ؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دی اور پھر صحابہ کرام ؓ سے بعد والوں نے سیکھا اور صحیح نقل و روایت کے ذریعے جو ان سے ہم تک پہنچا۔

اور یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں' جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو یہ تعلیم فرمایا تھا۔ نہ صحابہ کرام ؓ نے تابعین سے اس طریقے پر ذکر کرایا اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو ہی یہ طریقہ بتلایا تھا۔ اس لئے ذکر کے اس طریقے کے بارے میں مجھے خلجان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا یہ خلجان کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے"

ان بزرگ نے توقع کے خلاف میرے اس سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے ایک عجیب انداز میں فرمایا۔

"مولوی صاحب! یہ بے چارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں' یہ کسی اور کام کے نہیں ہوتے۔

بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں' اس لئے میں ان کو یہ ہی بتلا دیتا ہوں' آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تقریر و تحریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے۔ آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکر میں نہ پڑیں"

ظاہر ہے یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا۔ لیکن ان بزرگ نے میری بات کے جواب میں اتنا ہی فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے اور اپنے اصل سوال کی طرف مکرر توجہ دلانے کی مہلت دیئے بغیر افغانستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور ان کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرمادیا جو میرے لئے بھی دلچسپ تھا۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کو اٹھانا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہو گئی۔

اگلے دن مغرب کے بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اسی دھن کے ساتھ اپنا اپنا ذکر شروع کیا۔ مجھ سے پھر نہ رہا گیا اور میں نے کل کا اپنا سوال پھر یاد دلایا۔ لیکن آج بھی ان بزرگ نے وہی کل والا رویہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظرانداز فرما کر ہندوستانی مسلمانوں کی غالباً" ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرمادیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

ان بزرگ کے اس رویہ سے الحمدللہ میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب ان کے پاس ہے نہیں' اس لئے یہ اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں' بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالباً" میرے سوال کو ایک اہل اور طالب صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ ایک مبتلائے زعم و کبر کا اعتراض سمجھ کر اس کو اس طرح نظرانداز فرمایا جا رہا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت اس سوال سے اپنی تشفی (جہاں تک اب یاد ہے) مقصود بھی نہ تھی' بلکہ نیت کچھ اور ہی تھی۔

خانقاہ کے جس حجرے میں میرے سونے کا انتظام تھا' نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر میں اس میں جا کر لیٹ گیا اور تصوف کے اس قسم کے اعمال و اشغال پر بطور خود ہی غور کرنے لگا۔ اس غور و فکر میں خود ہی سائل تھا اور خود ہی مجیب۔ یاد آتا ہے کہ اس ذہنی بحث مباحثہ میں دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ ذہن اس مسئلہ میں بالکل یکسو ہو جائے' اگر میرے سوچنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک طور پر سمجھ رہا ہوں تو پھر اس بارے میں مجھے ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا انکار کروں اور ان باتوں کے غلط باطل ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور و خوض میں دیر کے بعد میرا ذہن ایک دفعہ اس طرف منتقل ہوا کہ تصوف کے ان خاص اعمال و اشغال کو (مثلاً" ذکر و مراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کئے ہوئے ہیں اور اپنی قیود و اوضائع کے ساتھ سنت سے ثابت نہیں ہیں) میرا بدعت اور نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ' حضرت شاہ ولی اللہؒ' حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ

اسمٰعیل شہیدؒ اور ان سے بھی پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضے سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو، بلکہ ان کی تعلیم سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ساری عمر اپنے پاس آنے والے طالبین کو انہوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے، بلکہ ان حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جس قدر یہ پہلو نمایاں ہے ان کی کتابوں کے پڑھنے والے اور حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں ہے۔

ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلد ہی کر لیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص العلم کا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور زیادہ قرین قیاس ہے، بہ نسبت اس کے کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ و شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسے اکابر علم و دین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے۔ اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری ہے اور ان حضرات کا عمر بھر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لئے کر لیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے شخصی حالات اور اصلاحی و تجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقہ فی الدین اور عنداللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتا کہ یہ سب حضرات (اپنے اپنے زمانہ میں اسرار دین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود) چند بدعتوں کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر ان میں مبتلا رہے اور اللہ کے ہزاروں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے۔ بے شک مجدد نبی کی طرح معصوم اور صاحب وحی تو نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروج بھی نہیں ہو سکتا۔ خاص کر دین کے جس شعبہ میں اس کو دوسرے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اس کا خاص داعی ہو اور اسی کے ذریعہ اصلاح و تجدید کا کام کر رہا ہو۔ اس میں اگر وہ بدعت وغیرہ میں امتیاز نہ کر سکے گا تو یقیناً وہ اصلاح سے زیادہ فساد کا اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہرحال یہ چند خیالی نکتے تھے جن پر پہنچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے اب مجھے اپنی غلطی ہی کو پکڑنے اور پا لینے کی کوشش کرنا چاہئے۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے اس غور و فکر کا سلسلہ اس وقت ختم کر کے سو جانے کا ارادہ کر لیا اور سو گیا۔

جن بزرگ کی خانقاہ کا یہ قصہ ہے ان کا معمول ہے کہ روزانہ نماز فجر کے بعد چند میل ٹہلتے ہیں۔ اس دن یہ عاجز بھی ساتھ ہو لیا اور رات کے اپنے ذہنی بحث و مباحثہ اور اس کے نتیجہ کا ذکر کیا اور عرض

کیا۔

"میرے دل و دماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف کے ان اعمال و اشغال کے بارے میں جواب تک میں نے سمجھا ہے غالباً" وہ صحیح نہیں ہے اور اس میں کوئی غلط فہمی مجھے ہو رہی ہے' لیکن ابھی تک میں اس غلطی کو پکڑ نہیں سکا ہوں' چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ یہ گرہ بھی کھل جائے اور جو خلش باقی ہے وہ بھی نکل جائے"

موصوف میری یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا

"مولوی صاحب! آپ کو یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں؟ یہ بتلائیے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟"

میں نے عرض کیا۔

"بدعت کی تعریف تو علماء کرام نے کئی طرح سے کی ہے' لیکن جو زیادہ منقح اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو"

فرمایا۔

"ہاں ٹھیک ہے' لیکن یہ بتلائیے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو اور اللہ و رسول نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو' لیکن کسی وقت زمانہ کے حالات بدل جانے سے وہ اس طریقے سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو' جس طریقے سے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں حاصل ہو جایا کرتی تھی' بلکہ اس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ "دین میں اضافہ" اور "بدعت" کہیں گے؟ (پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا) مثلاً" دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے۔ اور دین میں اس کا نہایت ہی تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اس کے لئے صرف صحبت کافی ہو جاتی تھی' تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے' نہ کتابیں تھیں' لیکن بعد میں حالات ایسے ہو گئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی' بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑ گئی' تو اللہ تعالیٰ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے اور اس کے بعد سے دین کی تعلیم و تعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے۔ تو کیا تعلیم و تعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی "دین میں اضافہ" اور بدعت کہا جائے گا؟"

میں نے عرض کیا

"نہیں! "دین میں اضافہ" جب ہوتا ہے جب کہ مقصود اور امر شرعی بنا کر کیا جائے۔ لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قدیمی طریقے کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ

اختیار کر لیا جائے تو اس کو "دین میں اضافہ" نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت ہو گا"۔

فرمایا۔

"بس سلوک کے جن اعمال و اشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے' ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی' بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ اور تحلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے' جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے۔ مثلاً" یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان' فکر رہنا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا" یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن و حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کے لئے تعلیم و تربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور ﷺ کے فیضان صحبت سے صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی۔ لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لئے کاملین کی صحبت بھی کافی نہ رہی' تو دین کے اس شعبہ کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ "ذکر و فکر کی کثرت" کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لئے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کئے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے' تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسی لئے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ طریق اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردو بدل اور کمی بیشی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں' بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال و اشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعضے ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی ذکر و شغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یوں ہی نصیب فرما دیتا ہے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورتاً کیا کرایا جاتا ہے"

ان بزرگ کی اس تقریر اور توضیح سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دور ہو گیا لیکن ایک نئی پیاس یہ پیدا ہو گئی کہ جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کو خود آزما کے دیکھا جائے اور اپنے ذاتی تجربے سے قلبی اطمینان اور مزید یقین حاصل کیا جائے' لیکن میرے حالات اور مشاغل میں اس کی گنجائش نہیں تھی کہ اس تجربے کے لئے میں کوئی بڑا اور مستقل وقت دے سکوں۔ اس لئے میں نے بے تکلف اور صفائی سے عرض کیا۔

"اگر یہ ذکر شغل ان مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر تو میں بھی اس کا محتاج ہوں' لیکن میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا' کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق کر رکھا ہے۔ ان کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا"

فرمایا۔

"مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے' لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ کی مشیت ہے' جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے' حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے' باوا صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ' حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سوواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سک رہی ہیں) اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں۔ ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا"

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا

"خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں' تصوف تو بس صرف اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور جو کام عشق کی طاقت سے اور اخلاص کی برکت سے ہو سکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا' تو دراصل تصوف ضروری نہیں ہے' بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے' اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور راستہ معلوم ہو جائے تو مبارک ہے' وہ اسی راستے سے حاصل کر لے اور ہم کو بھی بتلا دے' ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سینکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے' جن میں سینکڑوں وہ تھے جو دین کے اس شعبہ کے مجتہد بھی تھے اور صاحب ا[illegible]سی تھے"

میں نے عرض کیا

"جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہوا ہو اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اسے عشق اور اخلاص نصیب نہیں ہے تو کیا وہ کسی مدت تک اس کام کو چھوڑ کے پہلے اس کی تحصیل کرے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کو بھی کرتا رہے اور اس کے ساتھ اس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے؟"

فرمایا۔

"ہاں! ہو سکتا ہے' البتہ بعض طباع ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مدت کے لئے یکسوئی کے ساتھ

اس طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہے"

"کیا اس کے لئے بیعت ہونا بھی ضروری ہے؟"

فرمایا

"نہیں! بالکل نہیں! ہاں طلب اور اعتماد کے ساتھ محبت اور صحبت ضروری ہے' بیعت تو صرف تعلق اور اعتماد کے اظہار کے لئے ہے' ورنہ اصل مقصد میں بیعت کو کوئی خاص دخل نہیں ہے"

میں نے عرض کیا۔ "پھر مجھ کو بھی کچھ فرمادیں"

فرمایا

"مولوی صاحب حدیث میں ہے المستشار موتمن (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے اس کو پوری دیانتداری سے مشورہ دینا چاہئے) میں آپ کے لئے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ اس مقصد کے لئے فلاں صاحب یا فلاں صاحب کی طرف رجوع کریں' ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور آپ جیسے علم والوں کے لئے میں ان ہی حضرات کو اہل سمجھتا ہوں"

میں نے عرض کیا۔

"ان دونوں بزرگوں کی عظمت پہلے سے بھی کچھ دل میں تھی اور اب حضرت کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہوگئی ہے' لیکن چونکہ مجھ میں یہ طلب نہیں پیدا ہوئی ہے اس لئے میں تو اس راستے میں حضرت ہی سے راہنمائی حاصل کرنا اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں"

موصوف نے اپنی محبت و شفقت کے پورے اظہار کے ساتھ ایک یا دو دفعہ پھر انہی دونوں بزرگوں کا حوالہ دیا' لیکن جب میں نے ادب کے ساتھ اپنی ہی رائے پر اصرار کیا تو قبول فرمالیا اور میری مصروفیتوں کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت مختصر سا پروگرام تجویز فرمادیا۔ اور میں نے کرنا شروع کردیا۔

اس کے بعد میں غالباً چار پانچ دن وہاں اور مقیم رہا۔ جب اجازت لے کر رخصت ہونے لگا تو خاص اہتمام سے فرمایا۔

"حضرت دہلوی (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس ؒ) کی خدمت میں آپ ضرور جایا کریں اور کچھ قیام کیا کریں"

اس موقع پر مولانا موصوف ؒ کے متعلق بہت بلند چند کلمات بھی ارشاد فرمائے اور یہ حقیقت ہے کہ ان بلند کلمات ہی نے مجھے اس مشورے کی تعمیل پر آمادہ کیا اور جیسا کہ مولانا مرحوم ؒ کے ملفوظات کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں اس کے بعد ہی میں نے مولانا موصوف ؒ کی شخصیت کو کچھ جانا اور کچھ عرصے کے بعد میں یہ بھی سمجھ سکا کہ مولانا کی خدمت میں حاضری کا اتنے اہتمام سے مجھے کیوں مشورہ دیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ خانقاہ اور خانقاہی مشاغل اور اہل خانقاہ سے مجھے جو بعد تھا اس میں اچھا خاصا دخل

میرے اس احساس کو بھی تھا کہ ان حلقوں میں دین کا فکر اور اس کی خدمت کا جوش میں کم پاتا تھا' حالانکہ میں اس کو رسول اللہ (ﷺ) کی خاص میراث سمجھتا ہوں' میرا خیال ہے کہ ان بزرگ نے میرے اس احساس کو سمجھ کر اس کی اصلاح و تعدیل کے لئے ہی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضری اور قیام کی مجھے اتنے اہتمام سے تاکید فرمائی' گویا مجھے ایک عشق باز اور صاحب اخلاص بندے کے دین کے درد اور اس راہ میں اس کی تڑپ اور بے کلی کا مشاہدہ کرانا تھا اور دکھانا تھا کہ دین کی خدمت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیا موز
کاں سوختہ جاں شدو آواز نیامد

آٹھ نو برس پہلے کا واقعہ ہے حافظہ نے اب تک جتنا کچھ محفوظ رکھا لکھ دیا ہے۔ اپنی اور ان بزرگ کی گفتگو کا جو حصہ نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے عرصے کے بعد اصلی الفاظ میں نقل کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے ان سب کو روایت بالمعنی ہی میں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ اس سلسلہ کی بعض باتیں رہ گئی ہوں اور بعض ایسی باتیں یہاں لکھی گئی ہوں جو اس موضوع پر بعد میں کسی اور صحبت میں ان بزرگ سے سنی گئی ہوں۔ بہر حال جو توضیحات و تشریحات ان بزرگ کی طرف منسوب کر کے یہاں لکھی گئی ہیں اس کا اطمینان ہے کہ وہ سب انہی کی ہیں۔

تصوف کے اعمال و اشغال کے متعلق جس ذاتی تجربہ کا ارادہ کیا گیا تھا' افسوس ہے کہ اپنی کم ہمتی اور لاابالی پن کی وجہ سے اور کچھ اپنے دیگر مشاغل کی کثرت اور خاص نوعیت کے سبب سے کما حقہ وہ تجربہ تو نہیں کیا جا سکا؛ تاہم جو ٹوٹا پھوٹا اور برائے نام سا تعلق اس سلسلے سے اور اس کے اشغال سے ان چند سالوں میں رہا اور اس کی وجہ سے اس راہ کے بعض اکابر سے جو قرب حاصل رہا اور ان کے احوال اور ماحول کو قریب سے مطالعہ کرنے کا جو موقع ملا اس سے چند یقین حاصل ہوئے' جن میں سے بعض تصوف کے مخالفین اور منکرین کی خدمت میں عرض کرنے کے قابل ہیں اور بعض خود اہل تصوف کی خدمت میں پیش کرنے ضروری ہیں۔

خدا لگتی بات یہ ہے کہ غریب "تصوف" اپنے منکروں اور مخالفوں کا تو مظلوم ہے ہی' لیکن جو اس کے حامل اور علمبردار ہیں کچھ ان کی بعض چیزیں بھی اس مظلومیت کا باعث بن رہی ہیں۔

نو مسلم کا تعارف

شیخ بشیر احمد شاد (پاکستان)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

میں 1928ء میں ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں دھیان گالو کے ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے والد متھیاس صاحب مشہور پادری تھے اور تبلیغی خدمات کے سلسلے میں اپنے آبائی ضلع گورداسپور سے شیخوپورہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ میرے دادا مسمی جھنڈے مل بھی پختہ اعتقاد عیسائی تھے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے۔

میرے والد مجھے بھی ایک کامیاب مبلغ اور پادری بنانا چاہتے تھے' چنانچہ ابتداء ہی سے میری تعلیم و تربیت مذہبی نہج پر ہوئی۔ پرائمری تعلیم میں نے ایس ڈی اے مشن سکول چوہڑکانہ منڈی میں حاصل کی۔ یہاں شروع ہی سے کوشش کی جاتی تھی کہ ہر بچہ بڑا ہو کر ایک اچھا مبلغ عیسائیت بن سکے۔ میں اپنی پڑھائی میں بڑا تیز تھا۔ سکول کے مذہبی کاموں کے علاوہ تبلیغی لٹریچر تقسیم کرنے والی پارٹیوں میں بھی شامل ہوتا۔ مجھے بچپن سے تقریریں کرنے اور تبلیغی خدمات انجام دینے کا بہت شوق تھا اور میرے اس شوق کو سارے اساتذہ اور پادری قدر اور شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پرائمری کے بعد میں ایس۔ ڈی۔ اے مشن ہائی سکول رڑکی چلا گیا۔ وہاں بھی میری تعلیمی و تبلیغی کارکردگی نمایاں رہی۔ یہاں میں نے عیسائیت کے بنیادی اصولوں مثلاً "تثلیث' مسئلہ ابنیت مسیح' مسئلہ کفارہ' مسئلہ الوہیت مسیح اور الہیات کے بعض دیگر مسائل کی تربیت حاصل کی۔ اس سکول میں بھی عام اساتذہ خصوصاً" جناب ایچ سی الیگزینڈر میرے معاملے میں بہت خوش اور مطمئن تھے۔ انہیں بجا طور پر میری صورت میں مستقبل کا ایک کامیاب مبلغ اور پادری نظر آ رہا تھا۔

اسی اثناء میں میرے والد کا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا اور ساتھ ہی وہ حادثہ رونما ہوا جس نے میری دنیا تاریک بنا دی یعنی 1944ء میں میری والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا میرے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی' تاہم ہماری نئی والدہ نے سارے بچوں سے محبت اور شفقت کا برتاؤ جاری رکھا اور آخر تک اس میں کوئی کمی نہ آئی۔

1947ء میں میرا تعلیمی اور تبلیغی کورس ختم ہو گیا اور میں نے اسی سال مسیحی کلیسا کے خادم کی

حیثیت سے لاہور میں اپنی خدمات کا آغاز کیا۔ میں رومن کیتھولک مشن کے ساتھ وابستہ ہوا تھا۔ 1947ء کے اواخر میں میری شادی شرق پور کے ایک پروٹسٹنٹ پادری گھرانے میں ہوئی۔ میری بیوی ایک راسخ العقیدہ عیسائی خاتون تھی۔

تبلیغی میدان میں میرا انداز بڑا جارحانہ تھا' جہاں میں عیسائیت کو دین حق کے طور پر پیش کرتا وہاں اسلام سے اس کا مقابلہ بھی کرتا اور زور شور کے ساتھ اسلام پر عیسائیت کی برتری ثابت کرتا۔ اس ضمن میں متعدد مسلمان علماء سے میری بحثیں ہوئیں' تاہم یہ بات عجیب ہے کہ دوران گفتگو میرے منہ سے عموماً" اسلامی تراکیب و اصطلاحات نکل جاتیں جس پر میرے ساتھی مجھے ٹوکتے اور خود میں بھی شرمندہ جو جاتا۔ مثلاً" الہامی کتب کا ذکر آتا تو میں بے ساختہ کہہ جاتا کہ الہامی کتابیں چار ہیں تورات' زبور' انجیل' قرآن مجید۔ خدا کے بجائے عموماً" اللہ اور حضرت مسیح کی بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ بول جاتا۔ عبادت کو نماز کہہ جاتا وغیرہ۔

میری کلیسائی خدمت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ مشنری حضرات جن کے ساتھ میں کام کرتا تھا اپنے وطن بیلجیم چلے گئے۔ میں نے ترقی دیہات کے سرکاری محکمہ میں شمولیت اختیار کرلی اور شیخوپورہ چلا گیا۔ خان انور خان پی۔ سی۔ ایس ضلع شیخوپورہ کے ڈویلپمنٹ آفیسر تھے۔ انہوں نے خاص شفقت کا برتاؤ کیا اور دفتر ہی میں خدمت کا موقع عنایت فرمایا۔ چونکہ میرا نام مسلمانوں جیسا تھا اس لئے مجھے احباب مسلمان سمجھتے مگر جب انہیں پتہ چلتا کہ میں عیسائی ہوں تب بھی ان کے سلوک میں کوئی فرق نہ آتا اور ان کا برتاؤ مہر و مروت میں گندھا ہوا ہوتا۔ خصوصاً" خان انور طہماسپ صاحب' میاں غلام سرور' نواز رومانی صاحب اور چودھری صفدر علی صاحب کا لطف و کرم مثالی نوعیت کا تھا۔ ان حضرات کی وجہ سے ------ اسلام کے بارے میں میرے شکوک و شبہات دور ہونے لگے' میرے دل میں اسلام کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوتا گیا اور میرے دل کی دنیا ایک صالح انقلاب کی طرف مائل ہونے لگی۔

اسی دوران بیلجیم والے مشنری واپس آگئے اور مجھے دوبارہ تبلیغی خدمات انجام دینے کی دعوت دی مگر میں نے ان کے ساتھ کام کرنے سے انکار کردیا۔ اس ضمن میں میری بیوی' باپ اور سسر نے بھی بہت زور دیا بلکہ خفگی اور برہمی کا مظاہرہ کیا' مگر میں اپنی ضد پر قائم رہا۔ مسلمانوں کے اتنے قریب رہنے کے بعد اب مشنری خدمات انجام دینے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن 1959ء میں ترقی دیہات یا ویلج ایڈ کا محکمہ ختم ہو گیا تو تبلیغی خدمات انجام دینے کے لئے مجھ پر دوبارہ زور ڈالا گیا اور اس مرتبہ میں دیر تک مزاحمت نہ کر سکا تاہم یہ ارادہ ضرور کر لیا کہ اب عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہوئے اسلام پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ بلکہ خدا نے موقع دیا تو اسلام کے خلاف ان تمام اعتراضات کو حقیقت و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش جاری رکھوں گا۔

میری تبلیغی مہمات کا مرکز شیخوپورہ تھا' مگر ہفتے میں دو مرتبہ مسیحی مشاورت کے لئے ضلع لاہور میں بھی مدعو کیا جاتا۔ مجھے تبلیغی جو ہر ورثے میں ملے تھے' جنہیں میری محنت اور طباعی نے جلا عطا کی تھی۔ چنانچہ میں ہر قسم کی تقاریر خود ہی تیار کرتا۔ نظم کے مختلف حصوں کو نظم کی صورت دیتا اور نہایت خوبصورت موثر آواز میں خود ہی پیش کرتا۔ ایک خوش الحان پادری کی حیثیت سے میں عوام کو گھنٹوں متوجہ رکھتا تھا۔ میری مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بیشتر مقامی پادری میری نظمیں اور گیت الاپتے تھے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ماحول نے مجھ پر کچھ ایسا جادو کر دیا تھا کہ میں نے مسلمانوں میں اپنے حلقہ احباب کو قائم ہی نہیں رکھا' بلکہ اسے وسعت بھی دی۔ میری بیوی اس پر سخت برافروختہ ہوتی اور اپنے اور میرے والدین کو آگاہ کرتی رہتی۔ کبھی جوش میں آکر گھر میں اسلام کی کوئی خوبی بیان کر دیتا تو گویا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا اور کئی روز تک فضا میں تلخی رہتی پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور اسلام کے بارے میں میرا تجسس آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔

1961ء میں ایک مرتبہ میں اپنے والدین کو ملنے لاہور گیا۔ والد صاحب کے پاس کرسچن کونسل لٹریچر بورڈ کے سیکرٹری مسٹر پی جے ایکٹن بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ میں سابق ویلج ایڈر ہوں اور فیلڈ کے تجربہ کے علاوہ لکھنے بولنے اور گانے میں بھی ماہر ہوں تو انہوں نے میری خدمات حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ایک چٹھی دے کر گوجرانوالہ میں مسٹر پال ای ہوسٹیٹر کے پاس بھیجا۔ ہوسٹیٹر پاکستان میں مسیحی تعلیم بالغاں کے پروگرام کے ڈائریکٹر تھے۔ اس پروگرام کے چلانے کے لئے انہیں ایک موٹی ویٹر کی ضرورت تھی۔

مسٹر ہوسٹیٹر ماہر نفسیات و لسانیات تھے۔ انہوں نے بخوشی میری تقرری کر دی اور میں گوجرانوالہ منتقل ہو گیا۔ میرے بیوی بچے بھی یہیں مشن کمپاؤنڈ کھوکھرکی گوجرانوالہ آگئے۔

تعلیم بالغاں کا یہ پراجیکٹ جو ویسٹ پاکستان کرسچن کونسل کی طرف سے شروع ہوا' اس کی تمام مالی امداد نیویارک سے آتی تھی۔ اس کے حسب ذیل چار شعبے تھے۔

1۔ ریسرچ اینڈ پبلی کیشن (تحقیق و اشاعت)

2۔ علمی تربیتی کورس برائے اساتذہ سپروائزرز وغیرہ

3۔ مسیحی علمی لٹریچر کی تقسیم و فروخت۔

4۔ تبلیغ و ترغیب۔ پبلسٹی وغیرہ۔

ان چاروں شعبوں کا بیشتر بوجھ میرے کندھوں پر ڈالا گیا اور میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اس کام میں جت گیا' میں نے فرائض کی ادائیگی میں دن دیکھا نہ رات' چنانچہ اس علاقے کا ہر عیسائی اس امر کی گواہی دے گا کہ میں نے علمی' تعلیمی اور تبلیغی خدمات کس تندہی سے انجام دیں۔

ان فرائض کے سلسلے میں پاکستان کے تقریباً ہر بڑے شہر اور قصبے میں جانا پڑتا تھا۔ میری یہ خدمات اتنی وقیع تھیں کہ مسٹر پال ای ہوسٹیٹر نے مجھے ہر طرح کی سہولیات فراہم کر رکھی تھیں۔ سفر میں مجھے سیکنڈ کلاس کی سہولت حاصل تھی اگر گھر سے باہر کہیں رات بسر کرنی پڑتی تو تمام راتوں کا الاؤنس دس روپے فی رات ملتا تھا۔ دیگر اخراجات سفر بھی ادارہ کے ذمہ ہوتے۔ تنخواہ تقریباً چھ سو روپے ماہوار تھی اوور ٹائم اس کے علاوہ تھا' بچوں کے تعلیمی فنڈ ایک سپیشل فنڈ سے ادا ہوتے۔ میڈیکل الاؤنس بھی اسی میں سے ملتا ہر کرسمس پر ڈیڑھ سو روپے الگ ملتے۔ گرمیوں کی تعطیلات میں ایک ماہ کی زائد تنخواہ ملتی۔ گندم خریدنے کے لئے آسان قسطوں پر پانچ سو روپے کا قرضہ ملتا۔ میری ہر کتاب پر تین سو روپے تک رائیلٹی ملتی یہاں تک کہ بیس ہزار روپے میں میرا حادثاتی بیمہ بھی کرادیا گیا تھا تاکہ میری ناگہانی موت کے بعد میرے بیوی بچے بے سہارا نہ رہیں۔

یہ ساری سہولتیں میسر تھیں' مگر قلبی سکون حاصل نہ تھا۔ میں اپنے آپ کو اندھیروں میں بھٹکتا ہوا محسوس کرتا تھا' صاف نظر آتا تھا کہ میں لوگوں کو بزعم خویش حق کی تعلیم دیتا تھا' حالانکہ خود جہالت کی تاریکیوں میں سرگرداں تھا اور عوام کو روشنی کی طرف بلاتا تھا جب کہ خود نور کی ایک کرن کے لئے ترس رہا تھا۔ تبلیغی و علمی خدمات کے دوران میں یہ احساس مجھے متواتر تنگ کرتا رہتا۔ میں اپنے عہد کے مطابق اسلام پر اعتراض تو کوئی نہ کرتا تھا' مگر یہ خیال ذہن میں کچوکے لگاتا رہتا کہ میں عیسائیت کی تبلیغ کر کے اپنے آپ کو اور دنیا کو دھوکا دے رہا ہوں' خصوصاً دو سوال تو

روح کی پھانس بن گئے اور میں ان کے بارے میں اکثر سوچتا رہتا۔

1۔ اگر عیسائیت ایک سچا مذہب ہے اور اسی کی تقلید پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے تو یہ مذہب زوال کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد محبت و اخلاق پر ہے۔

2۔ اس کے برعکس اسلام کو ہر عیسائی جھوٹا خیال کرتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد ظلم و تشدد اور تلوار پر قائم ہے پھر یہ اس قدر ترقی کیوں کر گیا؟ جب کہ ظلم و تشدد انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

انہی دو بنیادی مسائل کا تقابل مجھے راہ تجسّس پر دور تک کھینچتا چلا گیا اور میں ذہنی اور قلبی اضطراب کو لئے ہوئے تلاش حق کے لئے ادھر ادھر سرگرداں رہا۔ علمائے کرام سے اعتراضات کی صورت میں گفتگو کا ایک ہی مقصد ہوتا اور علمی و تحقیقی طلب و جستجو کا بھی ایک ہی مدعا تھا۔ یعنی دل کی اس خلش کا علاج جو متذکرہ بالا مسائل نے پیدا کر دی تھی۔ تجسّس کی یہ مدت دس سال کے عرصے پر محیط ہو گئی۔ الحمد للہ کہ اندھیرے کے تمام پردے ایک ایک کر کے نگاہوں سے ہٹتے چلے گئے۔ ذہن کے سارے شکوک دور ہو گئے۔ اسلام ایک روشن جگمگاتا ہوا سورج بن کر میرے سامنے آ گیا اور اب اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ 23 جون 1968ء کا مبارک دن تھا جب کہ میں اپنے دس افراد خانہ کے ساتھ گوجرانوالہ کی ککی مسجد میں گیا اور مولانا محمد یوسف کاشمیری کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ (الحمد للہ تعالیٰ)

یہاں پر ایک دردناک حادثے کا ذکر بہت ضروری ہے۔ میں روحانی سکون کی تلاش کے آخری مراحل طے کر رہا تھا کہ میری دیرینہ رفیقہ حیات ایک طویل بیماری کے بعد فوت ہو گئی۔ میں نے دوسری شادی کر لی اور اس خدا کی بندی سے جونہی میں نے اسلام کی بات کی' اس نے اس کی تائید کی اور تلاش حق کے سلسلے میں میری سرگرم موید و مونس بن گئی۔ اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔

آخر میں' میں نہایت اختصار کے ساتھ اسلام اور عیسائیت کے ان عقائد کا تجزیہ پیش کرتا ہوں' جنہوں نے ایک عرصے تک مجھے تحقیق و تجسّس کے میدان میں محو سفر رکھا۔

سب سے پہلے مجھے تثلیث کے مسئلے نے پریشان کیا۔ عیسائی عقیدے کے مطابق ایک خدا میں تین اقانیم ہیں۔ (1) یعنی باپ' بیٹا اور روح پاک' جسے وہ انسان کے جسم میں تین چیزوں' میری سمجھ' میری یاد اور میری مرضی سے بھی تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ تثلیث کو بہت بڑا بھید بھی کہتے ہیں جو

انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ عیسائی لوگ پہلے ایک خدا کہہ کر توحید کا اقرار کرتے ہیں مگر مانتے تثلیث کو ہیں۔ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

پھر یہ بات بھی خاصی پریشان کن تھی کہ تثلیث کا بھید انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ ظاہر ہے جو چیز شعور کے احاطے میں نہ آ سکے اس پر عمل کی عمارت کیسے کھڑی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس زمین و آسمان' کائنات اور مخلوقات کا سارا انظام پکار پکار کر گواہی دیتا ہے کہ خالق حقیقی وحدہ لا شریک ہے یعنی توحید کا تصور عام فہم ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ تمام الہامی کتابیں بھی اس کی شہادت دیتی ہیں مثال کے طور پر

تورات خروج آیت ۔ 22/20 جو کوئی واحد خدا کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے گا' وہ نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

سلاطین آیت 8/10۔ خداوند ہی خدا ہے' اس کی مانند اور کوئی خدا نہیں۔

زبور۔ آیت 86/10۔ تو ہی بزرگ ہے تو ہی واحد خدا ہے۔

انجیل۔ متی آیت 19/17۔ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے کیونکہ نیک تو ایک ہی ہے۔

قرآن تو ظاہر ہے توحید کی دعوت اور مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں تثلیث کے غیر عقلی عقیدے سے منحرف ہو گیا اور توحید پر ایمان لے آیا۔

عیسائیت میں قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ قرآن دراصل تورات' زبور اور انجیل کی نقل ہے۔ چنانچہ توحید کے بعد مجھے ایسے دلائل مطلوب تھے جو قرآن پاک کو آسمانی کتاب ثابت کر دیں۔ شکر ہے کہ تحقیق نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں مسیحی فرقوں کی بائبلوں میں زبردست تضاد ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں فرقے ایک دوسرے کی کتابوں کو غلط کہتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر رومن کیتھولک کی بائبل میں عہد عتیق (پرانے عہد نامے) کے صحیفوں کی تعداد 46 ہے اور عہد جدید یا نئے عہد نامے کی تعداد 28 ہے یعنی کل 74 ہے۔ جب کہ پروٹسٹنٹ فرقے میں عہد عتیق اور عہد جدید کے صحیفوں کی بالترتیب تعداد 39 اور 27 ہے جو 66 بنتی ہے۔ بائبلوں میں تضاد ہونے کے علاوہ ان کی آیات میں بھی تضاد ہے۔ چند

[illegible] ہیں۔

پیدائش 3/9 آیت میں ہے کہ "خدا غیب کا علم نہیں رکھتا"

متی 24/36 میں مرقوم ہے کہ "خدا کو غیب کا علم ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا"۔ مجھے تحقیق کے باوجود آج تک کوئی عیسائی بائبل کا حافظ نہیں ملا' چنانچہ اگر دنیا بھر سے بائبل کے نسخے ناپید ہو جائیں تو بائبل کا وجود ختم ہو جائے گا۔ جب کہ یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ قرآن نہ صرف ہر نوع کے تضاد یا تحریف سے پاک ہے' بلکہ لاکھوں حفاظ کے سینوں میں محفوظ بھی ہے اور صدیاں گذر جانے کے باوجود اس کی زیر زبر میں بھی فرق نہیں پڑا۔ بائبل کا متن پکار پکار کر کہتا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کے بہت سے مراحل سے گذرا ہے' مگر قرآن کے بارے میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں کی جا سکتی۔ محکم اور اٹل دلائل نے میرا ایمان قرآن پر بھی راسخ کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ فی الواقع یہ خدائے تعالیٰ کا کلام پاک ہے۔

بچپن سے سنتا آ رہا تھا کہ اسلام ظلم و تشدد کا علمبردار ہے اور یہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے' جب کہ عیسائیت محبت و اخلاق سے پھیلی ہے۔ اس میں کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کی جاتی۔

مگر پیدائشی مسیحی ہوتے ہوئے بھی یہ بات میرے مشاہدے میں آتی رہی کہ برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد لوگ پیار و محبت سے عیسائی نہیں ہوئے بلکہ انہیں دنیاوی لالچ دے کر عیسائی بنایا گیا اور روحانی سکون کی طرف کھینچنے کی بجائے انہیں دنیاوی عیش و آرام کی طرف اکسایا جاتا تھا۔ چنانچہ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاک و ہند میں جتنے لوگ بھی عیسائی ہوئے وہ کسی نہ کسی دنیاوی مفاد اور مادی لالچ میں گرفتار ہوئے۔

پھر یہ بات بھی میرے تجربے میں آئی کہ غیر ملکی مشنری امریکہ اور یورپ سے بھاری رقمیں منگاتے تو مقامی عیسائیوں کی امداد کے نام پر ہیں مگر وہ خرچ اپنی ذات پر کرتے ہیں۔ انہیں کالے عیسائیوں سے کوئی محبت نہیں ہوتی۔ وہ اس کو کاروبار سمجھتے ہیں اور تبلیغ کے نام پر دراصل خود گھوڑے اڑاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی طاقتوں نے خصوصاً اسلام کو ختم کرنے کے لئے بڑے سے بڑے ظلم اور دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کیا۔

اس کے برخلاف مجھے یاد نہیں کہ پاکستان میں کبھی کسی غیر مسلم کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہی عالم دوسری اسلامی دنیا کا ہے۔ ہندوستان میں صدیوں تک مسلمان حکمران رہے مگر ہندو

آخر تک اکثریت میں رہے اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرتے رہے۔ انڈونیشیا اور ملایشیا میں کبھی اسلامی فوجیں گئی ہی نہیں مگر وہ اکثریتی مسلم ممالک ہیں۔ تلوار تو دفاع کے لئے یا ظالم انسان دشمن قوتوں کے لئے ورنہ نبی اسلام حضرت محمد ﷺ کی زندگی سے لے کر ساری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام رحم و کرم، محبت و شفقت اور انسانی ہمدردی کا بے نظیر مرقع ہے اور اس پر تشدد کا الزام جھوٹ اور بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی شادیوں کو عیسائی خوب اچھالتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی برسوں تک ایک پادری کی حیثیت سے اس امر کو اعتراض کی صورت دے کر پھیلاتا رہا، مگر تحقیق کی اور خدا نے میری آنکھیں کھول دیں تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ہربات میں حکمت پوشیدہ تھی۔ انہوں نے جتنی بھی شادیاں کیں ان سب کے پس پردہ کسی نہ کسی جاہلی رسم کی تردید یا اسلامی تعلیم کی اشاعت کا مقصد ہوتا تھا۔ پھر تاریخ بتاتی ہے کہ کئی نبیوں نے بیک وقت بہت سی شادیاں کیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عورتوں سے متنفر نہ تھے اور کسی پیغمبر کو شادی کرنے سے نہیں روکا گیا۔

عیسائیوں کی طرف سے عام اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں۔ میں نے غور کیا کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اپنے نبی ﷺ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں مگر عیسائی ایک شادی کر کے بھی اپنے نبی کی سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سرے سے شادی کی ہی نہیں تھی۔ پھر ایک شادی کرنا اور بیک وقت بہت سی عورتوں کے ساتھ ناجائز مراسم استوار کرنا آخر کہاں کی دیانت اور شرافت ہے اور یہ سب کچھ عیسائیت کی کون سی تعلیم کے تحت کیا جاتا ہے؟

دین اسلام کے جس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مساوات کی تعلیم ہے۔ حلقہ اسلام میں بلا امتیاز سب مسلمان برابر ہیں، فضیلت ہے تو صرف نیکی کی، پارسائی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی، مساجد میں حاکم و محکوم، گورے کالے، امیر غریب سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں عیسائیوں کی مانند گوروں اور کالوں کے گرجے الگ الگ نہیں ہوتے۔ امیر لوگ عبادت کے وقت کرسیوں پر نہیں بیٹھتے، نہ غریب اور ناخواندہ لوگ فرش پر بیٹھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تمام کی حیثیت برابر اور یکساں ہے۔ اسلام مساوات اور احترام انسانیت کا مذہب ہے اور جس دین میں مساوات ہے وہی دین حق ہے۔

موازنہ عقل اور عشق

(عبدالرشید ساہی)

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی، حیرت کی فراوانی

علامہ اقبال فرماتے ہیں دانش یعنی عقل کی دو قسمیں ہیں ایک عقل وہ ہے جو دل کو منور کرتی ہے اور اس کی بدولت انسان، ضمیر کائنات سے آگاہ ہو جاتا ہے دوسری عقل وہ ہے جو کہ دماغ کو روشن کرتی ہے لیکن اس کے برعکس انسانی دماغ میں شکوک و شبہات کی فراوانی ہو جاتی ہے یہ عقل انسان کو حریم ذات تک پہنچا سکتی ہے مگر پردہ اٹھا کر محبوب کا جمال جہاں آراء نہیں دکھا سکتی جب کہ عقل نورانی کی وجہ سے انسان کے دل کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اس عقل کے نور سے انسان اپنے محبوب کو دیکھ لیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ عقل تجلی کی تاب نہیں لاسکتی یہ عشق ہی ہے کہ عاشق میں مشاہدہ کی طاقت پیدا کر دیتا ہے اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ "دیدار یار" سے لطف اندوز ہوتا ہے یعنی عاشق سراپا دید بن جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے ما زاغ البصر و ما طغی "نہ آپ ﷺ کی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ جگہ سے اچٹی"

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

علامہ فرماتے ہیں احکام الٰہی کی تعمیل میں عقلی تخمین و ظن ٹھیک رہبری نہیں کر سکتے عشق کے فیصلے عقلی احکام سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں وہاں کوئی مصلحت راہ نہیں پا سکتی اس لئے کہ عقل ہزار مخلص ہونے کے باوجود بھی مصلحت بین ہی رہتی ہے لیکن ایک سچا عاشق الٰہی، رضائے الٰہی پر اپنی عزیز ترین متاع بصد مسرت وار سکتا ہے اور اس کے باوجود یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے کوئی خدمت کی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی خدمت یا قربانی کا محتاج نہیں اسے تو دلوں کا خلوص دیکھنا ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ دنیا کے تمام حکماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دانش برہانی کا نتیجہ حیرانی اور پریشانی

کے سوا کچھ نہیں ہے چنانچہ فلاطون نے اپنے شہرہ آفاق مکالمات میں لکھا ہے کہ "فلسفہ کی ابتدا بھی حیرانی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی حیرانی پر ہوتی ہے"

اسی نکتہ کو اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص رنگ میں بیان کیا ہے۔

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

نمبر2

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اے خدائے بزرگ و برتر اگر میرے عشق کا چرچا حدود کائنات سے نکل کر لامکاں تک پہنچ گیا ہے اور تجھے افشائے راز کا اندیشہ ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ یہ جذبہ عشق میرا پیدا کردہ تو نہیں ہے نہ تو مجھے اپنے عشق میں مبتلا کرتا نہ میں تیرا راز فاش کرتا اس شعر میں شاعر نے اللہ کو اپنا معشوق قرار دے کر اسے عام عاشقوں کی طرح خطاب کیا ہے اس میں بنیادی تصور یہ ہے کہ معشوق اپنی رسوائی پسند نہیں کرتا اقبال خدا کو مجازی معشوق تصور کر کے کہتے ہیں کہ اب تو اس بات سے کیوں مضطرب ہوتا ہے کہ میری فغاں ستاروں تک پہنچ گئی ہے اگر تجھے اپنی رسوائی کا اندیشہ تھا تو کیوں تو نے مجھے اپنے فراق میں مبتلا کیا؟ اس مضمون کو ایک گم نام شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

اپنی رسوائی کا عشاق پہ مت رکھ الزام
تجھ سے کس نے یہ کہا تھا کہ تماشائی ہو
حسن مستور عیاں کر دیا کل عالم پر
تیری تو خود یہ تمنا تھی کہ رسوائی ہو

نمبر3

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا انگریزی داں طبقہ تو مغربی تعلیم کی بدولت دین سے برگشتہ ہو گیا کیونکہ یہ نظام تعلیم الحاد پر مبنی ہے لیکن اس زمانہ کے علماء نے تو کسی کالج میں تعلیم نہیں پائی، بھی

وہ کیوں دین اسلام کے لئے موجب ننگ و عار ہیں اس شعر میں علامہ نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دین اسلام صرف عقائد کا نام نہیں ہے بلکہ وہ عقائد صحیحہ اور اعمال صالح دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اور اگر ان دونوں کی حقیقت معلوم کرنی ہو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام عقیدہ کے لحاظ سے توحید خالص اور عمل کے اعتبار سے جہاد پیہم کا نام ہے جیسے کہ نبی مکرم و محترم کی تریسٹھ سالہ زندگی کا عملی نمونہ ہم سب کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انہوں نے اپنی تمام زندگی عمل پیہم میں بسر کی۔

جھپٹنا پلٹنا، پلٹ کا جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
حمام و کبوتر کا قائل نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہمارے علماء نے عمل کی حقیقت اور اہمیت کو بڑی حد تک نظرانداز کردیا حتی کہ ان کے نزدیک اسلام صرف عقائد صحیحہ کا نام رہ گیا چنانچہ اس خود ساختہ اصول کی روشنی میں انہوں نے ان لوگوں کو تو بلا تامل دائرہ اسلام سے خارج کردیا جن کے عقائد' اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل کا امتیاز بالکل نہیں تو بڑی حد تک اٹھ چکا ہے مثلاً" اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تقلید شخصی ضروری نہیں تو علماء بلا تامل اسے گمراہ یا فاسق قرار دے دیں گے لیکن اگر کوئی شخص دن رات رشوت لے' بلیک مارکیٹ اور ذخیرہ اندوزی کو مشغلہ حیات بنائے' دھوکہ اور فریب سے اپنی تجارت چمکا لے' ہمسایوں کو ایذا پہنچائے' پرائی زمین پر اپنا مکان تعمیر کرے' مدۃ العمر زکوۃ نہ دے' یتیموں کا مال ہضم کر جائے غرضکہ ایسے اعمال بد میں مشغول رہے جن کے ارتکاب سے کفار کو بھی شرم آجائے' تاہم ان تمام بداعمالیوں کے باوجود وہ شخص مسلمان رہتا ہے اور کوئی عالم دین اس کو گروہ فاسقین میں شامل نہیں کرتا حالانکہ جرم کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں اگر ایک اسلام کے پہلے جز کا منکر ہے تو دوسرا اسی اسلام کے دوسرے جز کا منکر ہے تاریخ گواہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد فرمایا تھا اقبالؒ نے بڑی جرات سے کام لے کر ان علماء سو کا پردہ چاک کیا ہے جو اپنے اعمال کے لحاظ سے "ننگ مسلمانی" ہیں اگر یہ طبقہ عمل صالح کی اہمیت کا معترف ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس کے افراد کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا نہ ہوتا حالانکہ یہ لوگ ساری عمر قرآن و حدیث

کا درس دیتے رہتے ہیں اور یہ دونوں کتابیں جہاد ہی کی تعلیم دیتی ہیں لیکن اس طبقہ کے اندر سبھی کچھ ہے مگر جہاد کا ولولہ نہیں ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ شخص جسے دوسروں سے کام لینا ہے یا دوسروں کی اصلاح و تربیت کرنا ہے یا ان کی سیاسی رہبری کرنا ہے اسے جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ اس کی ذاتی مثال کیسی ہے؟ ایک بے راہ رو باپ' ایک بے ضمیر استاد' ایک بددیانت راہنما' ایک دروغ باف خطیب' ایک بزدل قائد' ایک ناکارہ اور نااہل حاکم بالادست کی ترغیب' تلقین اور فرمائش کوئی معنی نہیں رکھتی اعلیٰ مثال اعلیٰ بناتی ہے ایمان کا عملی نمونہ ایمان عطا کرتا ہے' قربانی کا عملی اقدام قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے کتابوں میں بیان کردہ کوائف بہرحال معلومات و اطلاعات کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کوائف کو قلب و نظر پر وارد کر کے انہیں لائحہ عمل بنانے والے لوگ دوسروں کے لئے روشن بنتے اور حوصلہ افزائی کا باعث ہوتے ہیں۔

نمبر۹

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

علامہ اقبال" فرماتے ہیں جو لوگ اسلامی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ انسان میں اپنی تقدیر بدلنے کی طاقت نہیں ہے حالانکہ اگر کوئی شخص اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرے تو اس کے اندر یہ طاقت پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔

تقدیر کے پابند' جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

ہر شخص جو اس شعر کو پڑھے گا اس کے دل میں یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہو گا کہ آخر انسان اپنی تقدیر کو کیسے بدل سکتا ہے اقبال نے "اسرار خودی" میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار

یعنی اے غافل مسلمان! اللہ کے احکام کی تندہی کے ساتھ اطاعت کر اس اطاعت کامل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگرچہ تو بلحاظ اصل خویش' مجبور ہے لیکن تیرے اندر اختیار کا رنگ پیدا ہو جائے گا یہاں اطاعت سے مراد اقبال کے نزدیک ایسی اطاعت ہے کہ مسلمان مجسم تسلیم و رضا بن جائے یعنی

اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے۔

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندہ مومن قضائے حق شود

کوئی انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک پہلے عاشق نہ بنے جب عاشق اپنی مرضی کو یعنی اپنے آپ کو رضائے حق میں فنا کر دیتا ہے تو اللہ اس کی اطاعت سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اسے اپنے مقربین بارگاہ میں داخل کرلیتا ہے اسی قرب سلطانی کو اقبال نے "قضائے حق" سے تعبیر کیا ہے یعنی بندہ مومن خود "ارادہ الٰہی" بن جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن جو زبان سے کہہ دیتا ہے وہی ہو جاتا ہے دراصل جب بندہ مومن مقام تسلیم و رضا پر فائز ہوتا ہے اس وقت اس کی اپنی مرضی رہتی ہی نہیں بلکہ وہ اپنے مالک و خالق کی مرضی میں اپنی خواہشات کو فنا کر دیتا ہے اور اس کو ہر گھڑی یہی محسوس ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر کام اس کی منشا اور مرضی کے مطابق سرانجام دیا جا رہا ہے اسی لئے وہ اللہ کی رضا کا بندہ بن کر تمام دنیاوی رنج و آلام سے بری ذمہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمادیا ہے کہ

جو میرے بندے ہیں ان کو نہ اس دنیا میں کوئی رنج و غم ہوگا اور نہ اگلے جہان میں وہ رنجیدہ ہونگے۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کو بے چون و چراں ماننے والے انسان ہی تو حزب اللہ یعنی خدا کا گروہ کہلاتے ہیں اور جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام سے بغاوت کرتے ہیں وہ حزب شیطان کہلاتے ہیں۔

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی احکام کا تابع بنا کر اپنی دنیا و آخرت بہتر بنالے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
جباری و قہاری و قدوسی و جبروت
یہ چاروں عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

روزے کابیان

حافظ محمد یاسین

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے' قرآن میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب و احکام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن پاک میں رمضان کی عظمت و فضیلت کے تین وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ نزول قرآن یعنی اسی مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

2۔ لیلۃ القدر یعنی اس مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر و برکت میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

3۔ فرضیت صوم۔ یعنی اسی مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے ہیں۔

انہی فضائل کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے اس کو "شہر اللہ" یعنی اللہ کا مہینہ کہہ کر خدا کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔

رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں

نبی پاک ﷺ نے رمضان کی عظمت و فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

1۔ جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی اور بد عملی کے شائق رک اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔

2۔ اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

3۔ رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔

4۔ اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔ اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا حق دار ہو گا۔

روزے کی فضیلت

نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ "آدمی کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے مگر خدا کا ارشاد ہے کہ روزہ کا معاملہ اور ہے وہ تو خالص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا اجر دوں گا۔

بندہ میری ہی خاطر اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، روزے دار کے لئے دو مسرتیں ہیں۔

ایک افطار کے وقت جب وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر خدا کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو ایک فریضہ پورا کرنے کی توفیق بخشی۔ دوسری مسرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت جب وہ خدا کے حضور باریابی پائے گا اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ میری امت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں۔

1۔ یہ کہ ان کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

2۔ یہ کہ ان کے لئے سمندر کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔

3۔ جنت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے دنیا کی مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر میری طرف آویں۔

4۔ اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔

۵۔ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ شب مغفرت شب قدر ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام کرنے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

حالت صوم میں برائیوں سے پرہیز

روزے کا عظیم مقصد صرف اسی وقت ہی حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔

حقیقی روزہ دار دراصل وہی ہے جو قلب و روح اور ان کی تمام صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو روند ڈالے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ انہیں روزہ کے ثمرات میں سوائے بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب دار ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

"جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں' اپنی آنکھوں' اپنی زبان' اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے"

اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں"

اور آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا۔

"کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا" (ماخوذ از آسان فقہ)

مرکز سے ہدایات

1۔ سالانہ تعلیمی دورہ

شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے تمام برادران سلسلہ کے لئے یہ ہدایات جاری فرمائی ہیں کہ ہر بھائی سالانہ اجتماع سے قبل بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصانیف کا لازمی مطالعہ کیا کرے گا۔ اس طرح پوری تعلیم یاد ہو جائے گی اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس سال کے لئے مندرجہ ذیل نظام الاوقات ترتیب دیا گیا ہے۔

1۔ تعمیر ملت وقت مطالعہ چار ہفتے۔ ماہ جنوری

2۔ چراغ راہ وقت مطالعہ چار ہفتے۔ ماہ فروری

3۔ طریقت توحیدیہ وقت مطالعہ دو ہفتے۔ ماہ مارچ

4۔ حقیقت وحدۃ الوجود وقت مطالعہ دو ہفتے۔ ماہ مارچ

☆ تمام خادمان حلقہ ہر ہفتے متعلقہ کتاب کا ایک معقول حصہ مقرر کر کے بھائیوں کو بتا دیا کریں۔ اگلے ہفتہ وار ذکر کے بعد اس حصہ میں سے چیدہ چیدہ باتیں تمام بھائیوں سے پوچھی جائیں تا کہ مطالعہ کو یقینی بنانے میں مدد ملے اور بھائیوں کو تقریر کرنے کی مشق بھی ہو جائے۔

2۔ ماہوار مجلس! تمام برادران کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ مرکز تعمیر ملت پر ماہ جنوری ماہوار مجلس 2 جنوری بروز اتوار کی بجائے 16 جنوری بروز اتوار کو منعقد ہو گی۔ اس عید ملن [illegible] میں توقع ہے کہ دن کے وقت ہی محفل سماع کا پروگرام بھی تشکیل دیا جائے۔ تمام قریبی حلقوں کے بھائی ذوق و شوق سے اس محفل میں شرکت فرمائیں۔ شکریہ

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت و ادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (درسی)	چراغ راہ	حقیقت وحدت الوجود
مجلد 250 صفحات قیمت -/100 روپے	پاکٹ سائز 300 صفحات قیمت -/100 روپے	پاکٹ سائز قیمت -/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 انار کلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T 9 بلاک نمبر 3 گلشن اقبال کراچی

  [illegible]
- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 600 گوجرانوالہ

FALAH-E-ADMIAT



بانی سلسلہ کی تصانیف

”حقیقت وحدت الوجود“ یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا تا کہ متلاشیان حق راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر بحث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
☆ روہانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح۔
☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے۔
☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الووجود کو جنم دیا۔
☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے۔
☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ۔
☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں۔

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہیں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔